

دروس الحدیث

جلد اول

مولانا محمد الیاس گھمن متکم اسلام
رحمۃ اللہ علیہ



اعلان: اس کتاب کو احناف میڈیا سروسز
سے اجازت لے کر شائع کیا جاسکتا ہے

نام کتاب: دروس الحدیث جلد اول
مصنف: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

ناشر: دارالایمان

ترتیب و پیشکش: احناف میڈیا سروسز

www.ahnafmedia.com

فہرست

حدیث جبرائیل علیہ السلام (اُمّ السنۃ) ----- 16

تمہیدی کلمات: ----- 17

اُمّ الکتاب و ام السنۃ: ----- 17

پورے درس کا لطف: ----- 17

حدیث جبرائیل کا ترجمہ و خلاصہ: ----- 18

حضرت جبرائیل کی آمد: ----- 18

یا محمد کہنے کا حکم: ----- 20

ازواجِ نبی کی خصوصیت: ----- 20

یہ تو مولانا صاحب کا اپنا بیٹا ہے: ----- 21

اسلام کیا ہے؟ ----- 22

حج میں استطاعت کی شرط کیوں؟ ----- 23

صحابہ کرام کا تعجب: ----- 24

- 24----- گیارہویں کی حقیقت:
- 24----- ایمان کیا ہے؟:
- 25----- ایک لطیف نکتہ:
- 26----- مسئلہ تقدیر کی عام فہم تشریح:
- 26----- مسئلہ تقدیر، توضیح بالمثال:
- 28----- تقدیر، علم الہی کا نام ہے:
- 28----- اچھی اور بری تقدیر کا مطلب:
- 29----- احسان کیا چیز ہے؟
- 29----- عبادت کی دو قسمیں:
- 30----- خانقاہ، عملی تربیت گاہ:
- 31----- مقتول فی اللہ اور مقتول فی سبیل اللہ:
- 32----- قیامت کے بارے سوال:
- 32----- قیامت کا حقیقی علم:
- 33----- قیامت کی علامات:
- 33----- باندی اپنی مالکہ کو جنے گی:
- 34----- چرواہے عمارتیں بنانے لگیں گے:
- 34----- بھکاری اور لاکھوں کا بینک بیلنس:
- 35----- ذات کی تبدیلی:
- 35----- مثال فٹ آگئی:
- 36----- آنے والا کون تھا؟
- 37----- ”اللہ ورسولہ أعلمہ“ کہنے کی وجہ:
- 38----- آنے والا جبرئیل تھا:
- 38----- آمدِ جبرئیل کا مقصد:

- 39----- دین محمدؐ صحابہ سے ملے گا:
- 40----- حدیث جبرئیل کی جامعیت:
- 41----- دین کیا ہے؟
- 42----- دیوبند کا اعزاز:
- 43----- حدیث جبرئیل کا خلاصہ:

44----- خصوصیاتِ پیغمبر ﷺ (حصہ اول)

- 45----- تمہیدی کلمات:
- 45----- راوی حدیث کا مختصر تعارف:
- 46----- ہمارے امام امام ابو حنیفہ:
- 47----- ”ابو حنیفہ“ کنیت و صنفی ہے:
- 48----- ”ابو حنیفہ“ کنیت کی وجہ:
- 49----- آپ علیہ السلام کی فضیلت:
- 49----- ”جوامع الکلم“ کیا ہیں؟:
- 50----- ابو عمیر! چڑیا کے بچے کا کیا بنا؟:
- 51----- مزاح سے مستنبط مسائل:
- 53----- اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے:
- 54----- نیت کرنے کا ثبوت؟
- 55----- مسئلہ..... اگر حشرات الارض کھانے میں گرجائیں:
- 57----- عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم:
- 57----- حیاتِ نبی بتاتے تو حیاتِ شہید سمجھ نہ آتی:
- 58----- امام کا اجر بتایا مقتدی کا سمجھ میں آیا:
- 59----- اپنے امام مسجد کی قدر کیجیے:

- 61----- اغیار کی محنت:
- 63----- قضاء نمازوں کا مسئلہ:
- 64----- فوت شدہ نمازوں کی قضاء کی دلیل:
- 65----- ایصالِ ثواب بالقرآن کی دلیل:
- 66----- سینگ، بال، کھر کا اجر بتایا تو گوشت کا خود بخود سمجھ میں آیا:
- 67----- کلمات کی جامعیت:
- 68----- اندازِ بیاں اور.....:
- 70----- جامع کلمات ملنے کی وجہ:
- 71----- احادیث سے مسائل کون نکالے گا؟
- 71----- فقیہ کا کام:
- 72----- ماہر فن پر بھروسہ ضروری ہے:
- 73----- علماء پر اعتماد کیجیے:
- 73----- فقہ حنفی نبی کے دور میں تھی:
- 75----- مسائل احادیث کی تہہ میں:
- 75----- خلاصہ درس:

76----- خصوصیاتِ پیغمبر ﷺ (حصہ دوم)

- 77----- حدیث کا خلاصہ:
- 78----- ختم نبوت پر دلائل:
- 79----- پہلی خصوصیت؛ جامع کلمات:
- 80----- مسائل کا حل احادیث کی تہہ میں:
- 81----- راہ دکھلائیں کسے؟ رہرو منزل ہی نہیں:
- 81----- شکوہ کرنا چھوڑ دیں!

- 81----- دوسری خصوصیت؛ رعب
- 82----- حصولِ غلبہ کے ذرائع:-----
- 83----- ایمانی و مادی طاقت میں راہِ اعتدال:-----
- 84----- رعب سے امداد کی وجہ:-----
- 85----- پینمبر کے رعب کی نوعیت:-----
- 86----- دائرہ نبوت کی وسعت:-----
- 87----- عطا اسی کو جس کو ضرورت ہو:-----
- 88----- تیسری خصوصیت؛ مالِ غنیمت کا حلال ہونا:-----
- 88----- حج مقبول کی نشانی کنکری کا اٹھ جانا:-----
- 89----- مالِ غنیمت؛ حلال و پاکیزہ:-----
- 89----- مالِ غنیمت حلال ہونے کی وجہ:-----
- 91----- تمہارا خون میٹھا ہے:-----
- 92----- مالِ غنیمت کے حلال ہونے کی وجہ:-----
- 92----- چوتھی خصوصیت؛ زمین ذریعہ طہارت:-----
- 93----- مکہ میں کھیتی باڑی نہیں ہوتی:-----
- 94----- زمین ذریعہ طہارت کیوں؟-----
- 95----- پانچویں خصوصیت؛ روئے زمین سجدہ گاہ:-----
- 95----- روئے زمین کو سجدہ گاہ بنانے کی وجہ:-----
- 96----- مخصوص پتھر ہی جائے سجدہ کیوں؟!-----
- 97----- چھٹی خصوصیت؛ رسالت عامہ:-----
- 98----- رسالت کا عموم؛ زمان و مکان و مکین تک:-----
- 98----- رسالت عامہ کی دلیل:-----
- 100----- حیات الانبیاء کی نرالی دلیل:-----

- رسالت عامہ کی وجہ: 100-----
- نبی کا علم زیادہ: 100-----
- نبی کا حسن زیادہ: 101-----
- خلاصہ کلام: 101-----
- ہمارا اور آپ کا اعزاز: 102-----

امت کے رہنما طبقات

امت کا رہنما طبقہ (خلفاء راشدین)-----104

- حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں: 104-----
- مفہوم حدیث: 105-----
- قادیانیوں کا اعتراض: 105-----
- نبوت سلکیشن سے ملتی ہے الیکشن سے نہیں: 106-----
- مذکورہ اعتراض کا جواب: 107-----
- توضیح بالمثال: 107-----
- ”پیدا نہیں ہو گا“ کے ترجمہ کا ثبوت: 108-----
- سمجھ میں آیا تو اچھا، نہ آیا تو بہت اچھا: 109-----
- اپنے علماء پر اعتماد کیجیے: 110-----
- ”پیدا نہیں ہو گا“ کے ترجمہ کا فائدہ: 111-----
- حضرت امیر شریعت کا واقعہ: 111-----
- عقیدہ نزولِ مسیح علیہ السلام: 113-----
- غامدی صاحب کا بے بنیاد نظریہ: 113-----
- شانِ نزول کی اہمیت: 114-----

- 116----- تسلی پہلے دی جاتی ہے:
- 117----- اے عیسیٰ! موت تجھے میں نے دینی ہے:
- 118----- امت کی رہنمائی کون کرے؟
- 118----- امت میں اختلاف ہو تو کس کی رہنمائی میں چلیں؟
- 120----- نمبر 1: سنتِ مصطفیٰ علیہ السلام:
- 120----- حدیث کے بجائے سنت کہنے کی وجہ:
- 120----- وجہ نمبر 1:
- 120----- وجہ نمبر 2:
- 120----- وجہ نمبر 3:
- 121----- عمل سنت پہ ہو گا:
- 122----- دیوبند کا ذوق:
- 122----- درسِ سنت کے بجائے درسِ حدیث کیوں؟
- 123----- نمبر 2: سنتِ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم
- 123----- سنت نبی اور سنت خلفاء راشدین دونوں پر عمل ضروری:
- 125----- جمع قرآن کا پس منظر:
- 126----- حضرت عمر کی رائے:
- 127----- جامع القرآن حضرت عثمان:
- 128----- دورِ خلفاء راشدین تکمیلِ نبوت کا دور ہے:
- 129----- دفاعِ صحابہ از قرآن:
- 130----- کلام، کتاب اور قرآن:
- 131----- دورِ خلفاء راشدین اور چار مسائل:
- 131----- مسئلہ نمبر 1:
- 131----- مسئلہ نمبر 2:

- مسئلہ نمبر 3:----- 131
- مسئلہ نمبر 4:----- 132
- عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم:----- 132
- تین طلاقیں تین ہوتی ہیں:----- 133
- جمعہ کی اذان ثانی:----- 133
- بیس رکعت تراویح:----- 134
- خلفاء راشدین کو بھی مانو! ان کی بھی مانو!----- 135
- مزاج دیوبند:----- 135
- خلاصہ درس:----- 136

امت کا رہنما طبقہ (صحابہ کرام)----- 138

- تمہید:----- 138
- رہنما طبقات:----- 139
- صحابہ کرام کی شرعی حیثیت:----- 139
- پہلی بات؛ عقائد و مسائل میں معیار صحابہ----- 139
- صحابہ کے ایمان جیسا ایمان ہونے کا معنی:----- 141
- مثل سے مراد مقدار ہے کیفیت نہیں:----- 142
- صحابی کسے کہتے ہیں؟----- 143
- حضرت معاویہ افضل یا عمر بن عبد العزیز؟----- 145
- صحابی کی شان:----- 146
- صحابہ معیار ہیں:----- 147
- دوسری بات؛ نبی نمائندہ خدا اور صحابی نمائندہ مصطفیٰ----- 148
- کلام اللہ کی مراد رسول اللہ سے:----- 150

- 151----- عقیدہ ختم نبوت:
- 153----- قرآن میں عذابِ قبر کا ذکر:
- 156----- تیسری بات؛ کلام رسول کی مراد صحابی رسول سے:
- 158----- چوتھی بات؛ دین صحابہ ہی دین محمد ہے:
- 161----- صحابہ کا پیغام کہ ہماری طرح بن جاؤ:
- 162----- پانچویں بات؛ حاملین قرآن و سنت صحابہ:
- 163----- چھٹی بات؛ نبی معصوم صحابی محفوظ:
- 164----- ساتویں بات؛ صحابہ تنقید سے بالاتر ہیں:
- 164----- آٹھویں بات؛ صحابہ معیارِ حق ہیں:
- 165----- نویں بات؛ صحابی کو گالی دینے والے کا حکم:
- 166----- صحابی کو گالی دیتے کیوں ہو؟
- 166----- دسویں بات؛ تعداد انبیاء اور تعداد صحابہ میں مماثلت:

169----- امت کا رہنما طبقہ (فقہاء عظام)

- 169----- گزشتہ دروس کا خلاصہ:
- 170----- فقہاء کا مقام بربانِ نبوت:
- 174----- حدیث معاذ کی تشریح:
- 174----- ہر مسئلہ کا حل قرآن میں نہیں ملتا:
- 174----- منکرین حدیث سے یہ سوال کریں!
- 176----- ثواب و عذابِ قبر پر ایک دلچسپ مکالمہ:
- 176----- دلیل مخالف سے پوچھیں!
- 177----- کیے جاؤ کام اپنا اپنا:
- 178----- پانچوں باتیں مانتے ہیں:

- 179----- اگر مسئلہ قرآن میں صراحتاً موجود نہ ہو:
- 180----- بھینس کی قربانی نہیں کرتے تو دودھ کیوں پیتے ہو؟
- 181----- جان بھی بچ گئی اور ایمان بھی:
- 183----- خون لگوانے کی دلیل:
- 184----- چند غیر منصوص مسائل:
- 185----- عمل اجتہاد پر پیغمبر کی خوشی کا عالم:
- 186----- فقہ؛ مسائل کا حل
- 186----- امام اعظم نے امام اعمش کی مشکل حل کر دی:
- 188----- جائز تاویلات کا احادیث سے ثبوت:
- 189----- اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ:
- 190----- تجارت حلال، سود حرام:
- 191----- فقہاء کا کام مسائل کا استنباط:
- 191----- امام اعظم کے مستنبط مسائل اور طریق استنباط:
- 192----- فقہ حنفی کی عالمگیریت:
- 193----- امام اعظم کا اعلان:
- 193----- ایک غیر مقلد کے ساتھ دلچسپ گفتگو:
- 194----- امام صاحب کا ارشاد سمجھ لیتا تو مسئلہ چیک نہ کرتا:
- 195----- تحقیق کا حق کس کو ہے؟
- 196----- مسئلہ سمجھ لیتا تو فقہ حنفی کبھی نہ چھوڑتا:
- 196----- کفارہ کی کھجور اپنے گھر والوں کو کھلا دو!
- 198----- حضرت خزیمہ کی گواہی دو کے برابر:
- 200----- قانون اور اعزاز میں فرق:
- 201----- میرا امام قانون بھی جانتا ہے اور اعزاز بھی:

201----- اے مولانا گھسن اے! -----

202----- خلاصہ درس: -----

204----- امت کا رہنما طبقہ (علماء کرام)

204----- تمہید: -----

205----- آپ علیہ السلام کے بعد امت کی رہنمائی کون کرے؟ -----

205----- تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل: -----

207----- ہمارا کام: -----

207----- حضور کی خواہش اور حضرت عمر کی تکمیل: -----

209----- دورِ خلافت راشدہ تکمیل نبوت کا دور: -----

209----- ظہر کی چار سنتیں اہتمام کے باوجود فرض کیوں نہیں؟ -----

210----- فقیہ کی ضرورت کیوں؟ -----

210----- وجہ نمبر 1: -----

210----- وجہ نمبر 2: -----

210----- وجہ نمبر 3: -----

211----- ایک شبہ اور اس کا جواب: -----

214----- فقہاء کے کام کی مثال: -----

215----- امام ابو حنیفہ کی تقلید کی وجہ: -----

215----- وجہ نمبر 1: -----

216----- وجہ نمبر 2: -----

216----- امام ابو حنیفہ، سراج الامۃ: -----

217----- فقہ حنفی نبی کے دور میں تھی: -----

218----- فقہاء کا کام، قرآن و سنت میں تطبیق: -----

- تواتر کا معنی: 221-----
- تواتر سند کا محتاج نہیں: 221-----
- بیس رکعات تراویح تواتر سے ثابت ہے: 222-----
- فقہ حنفی تواتر سے پہنچی ہے: 223-----
- ویڈیو بیان کی ضرورت: 224-----
- آپ کی تصویر جائز تو میری ناجائز کیوں؟ 225-----
- موزوں پر مسح تواتر سے ثابت ہے: 228-----
- جراہوں پر مسح کرنا جائز نہیں: 229-----
- پاؤں پر مسح جائز نہیں؛ ایک علمی گفتگو: 230-----
- دلائل والا مزاج اپنائیے: 233-----
- امت کے رہنماء؛ علماء کرام 233-----
- عالم نبی کا وارث ہے: 235-----
- عصر حاضر کا فتنہ: 236-----
- مولوی دے سکتا ہوں، نبی نہیں دے سکتا! 236-----
- مزاج نبوت: 237-----
- نبی کے وارث کی قدر کیجیے: 238-----
- عالم جیسا بھی ہو نبی کا وارث ہے: 239-----
- خلاصہ درس: 239-----

عنوان: حدیث جبرائیل علیہ السلام
(اُمّ السنۃ)

تاریخ: 3 فروری 2014ء

مقام: جامع مسجد موتی 2 بلاک سرگودھا

حديث جبرائيل عليه السلام (أمّ السنة)

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ: ﴿وَمَا
آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

(سورة الحشر: 7)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ
شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يَرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَيْهِ عَلَى
فَخْذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ قَالَ: الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ
وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا. قَالَ صَدَقْتَ. فَعَجَبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ
وَيُصَدِّقُهُ ثُمَّ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ قَالَ: «أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ
وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ». قَالَ: صَدَقْتَ.
قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ. قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ
فَإِنَّهُ يَرَاكَ. قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ قَالَ: «مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ
السَّائِلِ». قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا. قَالَ: «أَنْ تَلِدَ الْأُمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى
الْحَفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ». قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ
فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي: «يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟». قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ
أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّهُ جَبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ». (مشکوٰۃ المصابیح: حدیث نمبر 2)

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى

اَلِ اِيْزَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰى اِيْزَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِيْزَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.

تمہیدی کلمات:

ہم قرآن بھی مانتے ہیں حدیث بھی مانتے ہیں، قرآن پر بھی ہمارا ایمان ہے، حدیث پر بھی ہمارا ایمان ہے، اس لیے جیسے ہم دروس القرآن کا اہتمام کرتے ہیں اسی طرح ہم دروس الحدیث کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ اس کے لیے آج میں نے آپ کی خدمت میں جو حدیث پڑھی ہے یہ مشکوٰۃ شریف میں کتاب الایمان کی پہلی حدیث ہے۔ اس حدیث کا نام ہے ”حدیث جبرائیل“ جب ہم نے دروس القرآن کا آغاز کیا تو میں نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی تھی۔ اب دروس الحدیث کا آغاز کر رہے ہیں تو میں نے حدیث جبرائیل پڑھی ہے۔ وہاں اس سورۃ کا انتخاب کیوں تھا اور یہاں اس حدیث کا انتخاب کیوں ہے؟ دونوں کی وجہ سمجھیں۔

اُمُّ الْکِتَابِ وَاُمُّ السُّنَّةِ:

سورۃ الفاتحہ کا ایک نام ہے ”ام الکتاب“ اور اس حدیث جبرائیل کا نام ہے ”ام السنہ“۔ ام الکتاب کا معنی ہے ”قرآن کا خلاصہ“ اور ام السنہ کا معنی ہے ”احادیث کا خلاصہ“۔ سورۃ فاتحہ میں پورے قرآن کے مضامین اجمال کے ساتھ ہیں اور اس حدیث جبرائیل میں تمام احادیث کے مضامین اجمال کے ساتھ ہیں، اس لیے وہاں پہلی سورۃ ”ام الکتاب“ تھی اور یہاں پہلی حدیث ”ام السنہ“ ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں ساری بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین۔ سامعین]

پورے درس کا لطف:

اصل میں درس قرآن اور درس حدیث سننے کا لطف اسے آتا ہے جو پورا درس سنے اور پوری بحث کو سمجھے، اس لیے نماز سے قبل میں نے مولانا عبدالرشید

صاحب سے گزارش کی ہے کہ ہم اس بات کا اہتمام کریں کہ مغرب کے فرض، سنت اور نفل سے فارغ ہونے کے متصل بعد درس حدیث شروع کر دیں اور ہم کوشش کریں گے کہ پون گھنٹے میں حدیث کا درس مکمل ہو جائے، اس کے بعد اگر کسی کا تقاضا ہو وضو وغیرہ کا تو اس سے فارغ ہو کر عشاء کی نماز کے لیے تیار ہو کر آجائے۔ ہماری خواہش ہوتی ہے کہ وقت تھوڑا ہو اور بات اس میں زیادہ ہو۔ آپ کو میرے انداز کا بہت اچھی طرح پتا ہے کہ میں وقت ضائع نہیں کرتا، کوشش کرتا ہوں کہ تھوڑے وقت میں زیادہ باتیں آپ کی خدمت میں پیش کر دی جائیں۔

میں نے حدیث جبرائیل کا متن پورا پڑھا ہے، اس کا ترجمہ، خلاصہ اور تشریح عرض کرتا ہوں۔

حدیث جبرائیل کا ترجمہ و خلاصہ:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ“

ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے۔

”إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ“

اچانک ہمارے پاس ایک شخص آیا۔

حضرت جبرائیل کی آمد:

عربی زبان میں آنے کو کہتے ہیں ”جَاءَ“ اور ”آتی“ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ”جَاءَ“ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا ”طَلَعَ“، ”طَلَعَ“ کا معنی ”آنا“ نہیں ہے، ”طَلَعَ“ کا معنی ”طلوع ہونا“ ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ”جَاءَ“ نہیں فرمایا ”طَلَعَ“ کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ آنے والا بشر نہیں تھا، آنے والا نور تھا، بشر آیا کرتا

ہے، نور طلوع ہوا کرتا ہے۔ سورج کے بارے میں یہ نہیں کہتے کہ ”جَاءَتِ الشَّمْسُ“ کہ سورج آیا ہے بلکہ کہتے ہیں ”طَلَعَتِ الشَّمْسُ“ سورج طلوع ہوا ہے۔ اس لیے فرمایا: ”إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ“ ہمارے پاس اچانک ایک شخص آیا۔ اس کی حالت کیا تھی؟

”شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ“

کپڑے اس کے نہایت سفید تھے، بال اس کے نہایت سیاہ تھے۔

”لَا يُدْرِي عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ“

اس پر سفر کی کوئی علامت اور نشانی نہیں تھی۔

کہ گرد و غبار لگا ہو، بال بکھرے ہوں، کپڑے گندے ہوں، میلے کچلے ہوں بلکہ سفر کی کوئی نشانی بالکل نہ تھی۔

”وَلَا يَعْرِفُهُ مِنْ أَحَدٍ“

اور ہم میں سے کوئی بندہ اس کو پہچانتا بھی نہیں تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا تعجب بتا رہے ہیں، جب دیکھتے ہیں علامتِ سفر کو تو کوئی علامت نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینے کا رہنے والا ہے اور ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا نہیں ہے تو پتا چلتا ہے کہ مدینے کے باہر سے آیا ہے۔ اب شش و پنج میں ہیں کہ یہ بندہ کون ہے؟ مدینہ کا ہے یا باہر سے آنے والا ہے؟ ہم یہ بات ابھی سوچ ہی رہے تھے:

حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ گیا۔

فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ

(دو زانو ہو کر بیٹھا اور) اپنے گھٹنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک

گھٹنوں کے ساتھ ملا دیے۔ وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ اس نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لیے یا اپنے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ لیے۔

محدثین نے دونوں ترجمے کیے ہیں۔ اگر اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ سائل اسی طرح بیٹھتا ہے کہ اپنے ہاتھ اپنے رانوں پر رکھ کے باادب ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور اگر اپنے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں مبارک پر رکھے ہیں تو اس کا مطلب و معنی یہ تھا کہ وہ اپنی احتیاج ظاہر کرنا چاہتا ہے جیسے سائل اپنی احتیاج بتانے کے لیے کبھی اپنے ہاتھوں کو دوسرے کے گھٹنے پر رکھتا ہے۔ بہر حال انہوں نے اپنے ہاتھ رانوں پر رکھے اور عرض کیا: يَا مُحَمَّدُ!

”یا محمد“ کہا ”یا رسول“ نہیں کہا۔

یا محمد کہنے کا حکم:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم کہتے ہیں ”یا محمد“ نہ کہیں، یہ خلافِ ادب ہے لیکن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: ”یا محمد“، تو سوال یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جو ”یا محمد“ کہا ہے یہ خلافِ ادب تو نہیں؟! اس کا جواب خود مفسرین اور محدثین حضرات نے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ جو حکم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”یا محمد“ نہ کہا کرو یہ حکم اس کو ہے جو معصوم نہیں ہے۔ جبرائیل امین علیہ السلام تو معصوم ہیں، تو یہ حکم ہمیں ہے جو معصوم نہیں ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی معصوم ہیں اور جبرائیل علیہ السلام بھی معصوم ہیں۔ ان احکام کا تعلق جبرائیل سے نہیں بلکہ اس امت کے ساتھ ہے۔

ازواجِ نبی کی خصوصیت:

میں اس کی چھوٹی سی مثال اور دے دیتا ہوں تاکہ بات خوب سمجھ آئے۔

قرآن کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا
لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ.

(سورۃ الحجرات: 2)

کہ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے
بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے
ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔

ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام امت کے لیے ہے نبی کی بیویوں کے
لیے نہیں ہے۔ وہ امت بھی ہیں، بیوی بھی ہیں، اس لیے جو حق انہیں ہے وہ مجھے اور
آپ کو نہیں ہے۔ ہم ناراض ہو جائیں ہمیں یہ حق حاصل نہیں ہے اور امی عائشہ رضی
اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں:

جب تو ناراض ہوتی ہے تو مجھے پتا چل جاتا ہے۔

عرض کیا: کیسے؟

فرمایا: جب تو خوش ہو تو کہتی ہے: رب محمد کی قسم! اور جب تو مجھ سے خوش
نہ ہو تو کہتی ہے: رب ابراہیم کی قسم! میں سمجھ جاتا ہوں کہ آج عائشہ خوش نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 5228)

ایسا کیوں؟ اس لیے کہ وہ امتی بھی ہے اور بیوی بھی ہے۔ بیوی کا معاملہ الگ

ہے، عام بندے کا معاملہ الگ ہے۔

یہ تو مولانا صاحب کا اپنا بیٹا ہے:

میں ایک مثال اور دیتا ہوں۔ آپ کسی عالم کو ملتے ہیں، بڑے کو ملتے ہیں،
مصافحہ بھی کرتے ہیں، پیار بھی کرتے ہیں، اب آپ کا بچہ آئے اور سیدھا اس عالم کے
کندھے پر چڑھے تو آپ اس کو کہیں گے: ”بیٹا! شرم کر، ایسا نہ کر، یہ مولانا صاحب کی

بے ادبی ہے۔“ اگر میرا بیٹا آئے تو پھر؟ وہ میرے کندھے پر چڑھے تو آپ میں سے کسی نے بھی نہیں کہنا کہ یہ بے ادبی ہے، ہر ایک نے یہی کہنا ہے کہ مولانا صاحب کا اپنا بیٹا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بے ادب ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا تقاضا بہت ضروری ہے۔ باپ بیٹے کا کیا تعلق ہے؟ مرید پیر کا کیا تعلق ہے؟ خاوند بیوی کا کیا تعلق ہے؟ مقتدی امام کا کیا تعلق ہے؟ نبی اور امت کا کیا تعلق ہے؟ نبی کے رشتے داروں کا کیا تعلق ہے؟ یہ تعلق ذہن میں ہوں تو کبھی بھی الجھن پیدا نہیں ہوتی۔

اسلام کیا ہے؟

پھر سوال یہ کیا:

أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ؟

مجھے اسلام کے بارے میں بتائیں کہ اسلام کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں پانچ چیزیں ارشاد فرمائیں:

الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا.

اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کر (یہ نہیں فرمایا وَتُصَلِّي الصَّلَاةَ، بلکہ فرمایا وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، تُصَلِّي الصَّلَاةَ کا معنی ہے نماز پڑھا کر اور تُقِيمَ الصَّلَاةَ کا معنی ہے نماز کی پابندی کیا کر) زکوٰۃ ادا کیا کر، رمضان کا روزہ رکھا کر اور اگر طاقت ہو تو بیت اللہ کا حج ادا کرنا۔

انہوں نے پوچھا اسلام کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی چیزیں فرمائیں؟ [پانچ۔ سامعین] انہیں کہتے ہیں ”ارکان اسلام“ یعنی کلمہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج یہ ارکان اسلام ہیں۔

حج میں استطاعت کی شرط کیوں؟

اس پر ایک سوال سمجھیں۔ میں ان شاء اللہ ساتھ ساتھ سوال و جواب سمجھاتا جاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کلمہ پڑھنا، نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا اور جب حج کی باری آئی تو فرمایا ”طاقت ہو تو حج کرنا۔“ سوال یہ ہے کہ ﷺ کلمہ زبان سے اس وقت پڑھے گا جب استطاعت ہوگی، استطاعت نہ ہو تو نہیں پڑھے گا۔

ﷺ نماز پڑھنے کی طاقت ہوگی تو پڑھے گا، نہیں ہوگی تو نہیں پڑھے گا۔

ﷺ زکوٰۃ کی استطاعت ہوگی تو دے گا، نہیں ہوگی تو نہیں دے گا۔

ﷺ روزہ کی استطاعت و طاقت ہوگی تو رکھے گا، نہیں ہوگی تو نہیں رکھے گا۔

تو کلمے، نماز، روزے، زکوٰۃ ان سب کا تعلق استطاعت سے ہے لیکن صرف حج کے متعلق کیوں فرمایا ”إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا“ کہ طاقت ہو تو حج کرنا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ کا تعلق انسان کی ذات سے ہے، نماز کا تعلق انسان کی ذات سے ہے، روزے کا تعلق انسان کی ذات سے ہے، زکوٰۃ کا تعلق انسان کی ذات سے ہے، حج ایسا فریضہ ہے کہ جب انسان شادی شدہ ہو تو صرف اس کی ذات سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ بیوی اور بچوں سے بھی اس کا تعلق ہوتا ہے، نماز میں اپنا مسئلہ ہوتا ہے لیکن حج پر تب جائے جب اپنے لیے زاد راہ بھی ہو اور گھر میں بیوی بچوں کے لیے کھانے پینے کا سامان بھی ہو۔ اب اگر اپنے پاس ٹکٹ موجود ہے، مکہ مدینہ کے ہوٹل کا کرایہ موجود ہے لیکن بیوی اور بچوں کے پاس کچھ نہیں ہے، یہ وہاں جائے گا تو بیوی بچے مانگتے پھریں گے، اسی لیے فرمایا کہ حج تب کرنا جب اپنی ٹکٹ کے پیسے بھی ہوں، مکہ مدینہ کے ہوٹل کا کرایہ بھی ہو اور بیوی بچوں کا خرچہ بھی دے کر جانا۔ عموماً ہم اپنی ذات کو دیکھتے ہیں لیکن بیوی بچوں کو نہیں دیکھتے، اس لیے اپنا خرچہ ہونا بھی ضروری ہے

اور گھر میں بیوی بچوں کا خرچہ ہونا بھی ضروری ہے۔

صحابہ کرام کا تعجب:

قَالَ صَدَقْتُ، فَعَجَبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ.

یہ بات سن کر اس آنے والے شخص نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ سوال بھی خود کرتا ہے اور ”صَدَقْتُ“ کہہ کر تصدیق بھی خود کرتا ہے۔ جب سوال کرتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ اس کو مسئلے کا پتا نہیں ہے اور جب ”صَدَقْتُ“ کہتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مسئلے کا پتا ہے۔ ہم حیران تھے کہ کیسا آدمی ہے کہ سوال بھی کرتا ہے اور ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق بھی کرتا ہے، ہم شش و پنج میں تھے۔

گیارہویں کی حقیقت:

”شش و پنج“ کا لفظ اس وقت بولتے ہیں جب بات سمجھ میں نہ آئے۔ علامہ خالد محمود صاحب ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ مجھ سے ایک آدمی نے پوچھا: گیارہویں کیا ہے؟ میں نے کہا: ”شش و پنج“ اس نے کہا: جی کیا مطلب؟ فرمایا: ”شش“ کا معنی چھ ہے اور ”پنج“ کا معنی پانچ ہے، شش و پنج کا معنی گیارہویں۔ وہ شخص کہنے لگا: جی سمجھا نہیں۔ فرمایا: جو سمجھ نہ آئے وہی تو شش و پنج ہوتی ہے۔ تو گیارہویں کیا ہے؟ شش و پنج، دینے والے کو نہیں پتا کہ کیوں دیتے ہیں؟ کھانے والے کو بھی نہیں پتا کہ کیوں کھاتے ہیں، بس گیارہویں ہے اسے ”شش و پنج“ کہتے ہیں کہ جس کا بندے کو پتا نہ ہو کہ یہ ہے کیا، اسے کہتے ہیں ”گیارہویں“۔

ایمان کیا ہے؟:

اس آنے والے نے فوراً دوسرا سوال کر دیا:

فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ.

اللہ کے نبی! بتائیں کہ ایمان کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ
بِالْقَدْرِ خَيْرُهُ وَشَرُّهُ.

اللہ کو ماننا، اللہ کے فرشتوں کو ماننا، خدا کی آسمانی کتابوں کو ماننا، اللہ کے
رسولوں کو ماننا، آخرت کے دن کو ماننا اور اچھی یا بری تقدیر کو ماننا۔

ایک لطیف نکتہ:

اس پہ ذرا ایک سوال سمجھیں۔ آنے والے شخص نے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم سے جب ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپ علیہ السلام نے چھ چیزیں بیان
فرمائیں۔

(۱) اللہ کو ماننا، (۲) فرشتوں کو ماننا، (۳) رسولوں کو ماننا، (۴) کتابوں کو ماننا، (۵) قیامت
کو ماننا، (۶) تقدیر کو ماننا۔

پہلی پانچ چیزوں پر ایک بار ”تُؤْمِنَ“ فرمایا، یعنی ”أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ
وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ“ تو ان چیزوں کے لیے ایک بار ”تُؤْمِنَ“
فرمایا اور جب تقدیر کی باری آئی تو ”تُؤْمِنَ“ دوبارہ فرمایا، سوال یہ ہے کہ اس کی
ضرورت کیوں پیش آئی ہے؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھ چیزوں کو اکٹھے
ذکر فرمادیتے۔ اس کی وجہ یہ ہے؟ اب توجہ رکھنا! اللہ پر ایمان لانا آسان چیز ہے سمجھنا
بھی آسان ہے، فرشتوں پر ایمان لانا یا سمجھنا بھی آسان ہے، انبیاء علیہم السلام پر ایمان
لانا یا سمجھنا آسان ہے، آسمانی کتابوں پر ایمان لانا یا سمجھنا آسان ہے، قیامت کے دن پر
ایمان لانا اور سمجھنا آسان چیز ہے، تقدیر ایسا مسئلہ ہے کہ جو آسانی سے سمجھ میں نہیں
آتا اس لیے اس پر ”تُؤْمِنَ“ دوبارہ فرمایا کہ سمجھ میں آئے تب بھی ماننا ہے اور سمجھ میں

نہ آئے تب بھی ماننا ہے۔ ایمان کہتے ہی اسے ہیں کہ سمجھ میں آئے تو مانیں سمجھ میں نہ آئے تو مانیں، اس لیے ”تَوَمَّنْ“ دوبارہ فرمایا کہ سمجھ میں نہ آئے تب بھی ماننا ہے۔

مسئلہ تقدیر کی عام فہم تشریح:

میں ایک بات عرض کرتا ہوں تاکہ آپ کی سمجھ میں آئے کہ تقدیر کا مسئلہ سمجھنا کتنا مشکل ہے؟! ایک آدمی کہتا ہے کہ ”اللہ نے جنت اور جہنم انسان کے مقدر میں لکھ دی ہے، جب لکھ دی ہے تو نماز کی ضرورت کیا ہے؟ جنت مقدر میں لکھ دی ہے، اب یہ بندہ نماز پڑھے گاتب بھی جنت میں اور نماز نہ پڑھے گاتب بھی جنت میں۔ ایک آدمی کے مقدر میں اللہ نے جہنم لکھ دی ہے، تو اب یہ بندہ نماز پڑھے تب بھی جہنم میں اور نماز نہ پڑھے تب بھی جہنم میں۔ تو اب نماز پڑھنے کی ضرورت کیا ہے؟“ اسی طرح ایک بندہ کہتا ہے کہ ”تقدیر میں لکھا تھا کہ فلاں بندے نے فلاں کے ہاتھوں قتل ہونا ہے، اب قاتل تو مجبور تھا کہ اس کے ہاتھوں مقتول نے قتل ہونا تھا، اب قاتل کو سزائے موت دینے کا مطلب کیا ہے؟“ میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ جب آپ نے یہ سوال سننا ہے تو پریشان ہو جانا ہے۔ میں درس کے درمیان یہ باتیں اس لیے عرض کرتا رہتا ہوں کہ سننے والے کو پتا چلے کہ ہمارا کام کیا ہے؟ جو کام سب سے مشکل ہے وہ ہم نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ یہ کہنا تو بہت آسان ہے کہ تقدیر پر ایمان لاؤ! لیکن یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ تقدیر پر ایمان کیسے لاؤ!

مسئلہ تقدیر؛ توضیح بالمثال:

باتیں تو بہت ہیں لیکن پونے گھنٹے میں پوری بات تو نہیں کر سکتا البتہ اشارہ کرتا ہوں۔ مجھے ایک شخص کہنے لگا کہ ”مولانا صاحب! جب مقدر میں لکھا تھا قتل ہونا، مقدر میں لکھا تھا قتل کرنا تو اس پر سزائے موت کیوں؟“ میں نے کہا: اس کو ایک مثال سے سمجھیں۔ ایک شخص روزانہ آتا اور انگور چوری کر کے لے جاتا۔ ایک دن

مالک نے چوکیدار سے کہا کہ اس چور کو پکڑو۔ چوکیدار نے محنت کی اور چور کو پکڑ لیا۔ جب چور کو پکڑا تو چور کہنے لگا: دیکھو میں مسلمان آدمی ہوں، تم بھی مسلمان ہو میرے مقدر میں خدا نے یہ لکھا ہے کہ میں چوری کر کے انگور کھاؤں تو میں چوری کر کے کھا رہا ہوں، یہ میری مجبوری ہے میں خدا کے لکھے کے خلاف تو نہیں کر سکتا۔ چوکیدار سیدھا سادہ آدمی تھا اس نے اسے چھوڑ دیا۔ مالک نے پوچھا: بھائی! کتنے دن ہو گئے ہیں چور نہیں پکڑا۔ چوکیدار نے کہا: جی رات میں نے پکڑ لیا تھا لیکن پھر چھوڑ دیا۔ مالک نے کہا: چھوڑ کیوں دیا؟ اس نے کہا جی چور نے دلیل اتنی اچھی دی ہے کہ اس کو پکڑنے کا جواز بنتا ہی نہیں تھا۔ مالک نے کہا اب آئے تو اسے پکڑ لینا۔ مالک سمجھدار تھا، صبح ایک عالم کے پاس گیا۔ اس نے کہا: مولانا ہمارے ہاں چور آیا تھا اور پڑھا لکھا چور تھا، اس نے دلیل ایسی دی کہ ہمارے چوکیدار نے اس کو چھوڑ دیا۔ مولانا صاحب نے پوچھا کہ اس چور نے کیا بات کی؟ مالک نے کہا جی اس نے یہ بات کی تھی۔ مولانا صاحب نے کہا کہ چور کو پکڑو اور پکڑ کے مجھے بتانا۔ اب چوکیدار رات بیدار رہا۔ چور آیا تو اس نے پکڑ لیا۔ جب چور کو پکڑا تو اس نے کہا جی میرا قصور نہیں ہے میں نے تو خدا کے لکھے ہوئے پر عمل کیا ہے، میں مجبور ہوں۔

مولانا صاحب کھڑے تھے، انہوں نے کہا: اس نے جس بیل سے انگور توڑے ہیں اسی بیل کے ساتھ اسے باندھو۔ باندھ دیا گیا۔ اب مولانا صاحب نے چوکیدار سے کہا: اب اسے ڈنڈے سے مارو۔ جب اس نے دو چار لگائے تو چیخا کہ مجھے چھوڑ دو۔ مولانا صاحب نے کہا: نہیں بھائی! تمہارے مقدر میں انگور کھانا بھی تھا، تمہارے مقدر میں ڈنڈے کھانا بھی تھا۔ جب تک تمہارے مقدر میں مار کھانا لکھا ہے خان صاحب (چوکیدار) اس کو مارتے رہو، جب اللہ کہیں گے چھوڑ دو پھر چھوڑ دینا۔ اس نے کہا: جی مجھے مسئلہ سمجھ میں آگیا، آئندہ میں یہاں کبھی نہیں آؤں گا۔

تقدیر؛ علم الہی کا نام ہے:

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا آسان لفظوں میں تقدیر کا مسئلہ سمجھایا ہے کہ شاید اس سے آسان لفظوں میں بات کرنا ممکن نہ ہو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”تقدیر؛ علم الہی کا نام ہے نہ کہ امر الہی کا۔“ لفظ یاد رکھ لیں ”تقدیر علم الہی کا نام ہے نہ کہ امر الہی کا۔“ ہم سمجھتے ہیں کہ تقدیر امر الہی کا نام ہے حالانکہ یہ امر الہی کا نام نہیں بلکہ علم الہی کا نام ہے۔

توجہ رکھنا اب میں سمجھانے لگا ہوں کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم میں تھا کہ میں اس بندے کو اختیار دوں گا، یہ بندہ یوں کام کرے گا، اس لیے خدا نے لکھ دیا کہ اس بندے نے ایسے کام کرنا ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا نے اس کو گناہ کرنے کا پابند کیا ہے، خدا کے علم میں تھا اس نے ایسے کرنا ہے اس لیے خدا نے لکھ دیا، یہ بندہ اس لیے نہیں کرتا کہ خدا نے لکھا ہے بلکہ خدا نے اس لیے لکھا ہے کہ اللہ کے علم میں تھا کہ اس نے کرنا ہے۔ علم الہی الگ ہے اور امر الہی الگ ہے۔ اس سے آسان تعبیر نہیں ہے اس لیے اگر پھر بھی سمجھ نہ آئے تو بھی مان لیں۔

اچھی اور بری تقدیر کا مطلب:

ایک سوال اور سمجھیں۔ تقدیر اگر اللہ کا فیصلہ ہے تو اللہ کا فیصلہ خیر ہی ہوتا ہے یا کبھی شر بھی ہوتا ہے؟ [خیر ہی ہوتا ہے۔ سامعین] ہاں ہمیشہ خیر ہوتا ہے اور ہم کیا کہتے ہیں: ”تقدیر اچھی ہو تب بھی اللہ کی طرف سے ہے اور بری ہو تب بھی اللہ کی طرف سے ہے۔“ سوال یہ ہے کہ تقدیر بری کیسے ہو سکتی ہے؟

میں یہی بات سمجھانے لگا ہوں کہ مثلاً ایک آدمی نے قتل کر دیا، اس کے خلاف 302 کی ایف آئی آر کٹی، تھانے والوں نے گرفتار کر لیا، عدالت میں پیش کر دیا، کیس چلتا رہا، عدالت نے اس قاتل کو سزائے موت دے دی۔ یہ فیصلہ عدالت کا

ٹھیک ہے یا غلط؟ [ٹھیک ہے۔ سامعین] اب اگر فیصلہ عدالت کا ٹھیک ہے تو آپ مٹھائی کا ڈبہ لو، قاتل کے باپ کو جا کر مبارکباد پیش کرو، وہ پوچھے کیوں آئے ہو؟ آپ کہیں: آپ کو مبارکباد دینے آئے ہیں کہ بالکل صحیح فیصلہ عدالت نے دے دیا ہے۔ مبارکباد دیں گے؟ [نہیں۔ سامعین] آپ تو افسوس کریں گے، حالانکہ فیصلہ ٹھیک ہے قاتل کو سزائے موت ہونی چاہیے لیکن قاتل کے باپ سے جا کر افسوس کرتے ہیں، مبارکباد نہیں دیتے، اس کا مطلب کیا ہے؟

اللہ کا فیصلہ ہمیشہ ٹھیک ہوتا ہے کبھی انسانوں کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے اور کبھی انسانوں کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتا۔ فیصلہ خدا کا ہے اگر انسان کی مرضی کے موافق ہو اسے ”تقدیر خیر“ کہتے ہیں، انسان کے مزاج کے مخالف ہو اسے ”تقدیر شر“ کہتے ہیں، فیصلہ تو ٹھیک ہے کبھی ہماری خواہش کے موافق ہوتا ہے کبھی ہماری خواہش کے مخالف ہوتا ہے، اسے کہتے ہیں تقدیر خیر اور تقدیر شر۔

احسان کیا چیز ہے؟

اس آنے والے نے پوچھا:

فَأُخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ.

اللہ کے نبی! بتائیں احسان کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ.

اللہ کی عبادت یوں کر گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے، اگر یوں نہ کر سکے تو پھر

عبادت یوں کر کہ گویا خدا تجھے دیکھ رہا ہے۔

عبادت کی دو قسمیں:

توجہ رکھنا! گویا اب عبادت کی دو قسمیں ہیں:

☀ پہلی قسم..... بندہ خدا کو دیکھے، خدا بندے کو دیکھے

☀ دوسری قسم..... بندہ خدا کو نہ دیکھے، صرف خدا بندے کو دیکھے

بندہ خدا کو دیکھے خدا بندے کو دیکھے اس عبادت کا نام ہے ”عالم مشاہدہ والی“ اور بندہ خدا کو نہ دیکھے خدا بندے کو دیکھے اس عبادت کا نام ہے ”عالم غیبوت والی“ ایک دوسرے کو دیکھیں یہ ”مشاہدہ“ ہے ایک دیکھے دوسرا نہ دیکھے یہ ”غیبوت“ ہے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں؛ ایک عبادت نبی کی ہے ایک عبادت امتی کی ہے، نبی کی عبادت یہ ہے کہ خدا نبی کو دیکھتا ہے نبی خدا کو دیکھتا ہے، امتی کی عبادت یہ ہے کہ خدا امتی کو دیکھتا ہے لیکن امتی خدا کو نہیں دیکھتا، ایک دوسرے کو دیکھیں یہ عبادت نبی کی ہے، خدا دیکھے بندہ نہ دیکھے یہ عبادت امتی کی ہے۔ اس سے اب دو مسئلے سمجھیں:

خانقاہ؛ عملی تربیت گاہ :

آپ نے خانقاہوں یا مدرسوں میں یہ جملہ لکھا ہوا دیکھا ہے: ”اے بندے! یہ احساس پیدا کر کہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے“ ایک بندے نے مجھے کہا: دیوبند والوں کے مدرسوں اور خانقاہوں میں لکھا ہوا یہ جملہ حدیث کے خلاف ہے۔ میں نے کہا: کیوں؟ کہنے لگا: حدیث مبارک میں ہے کہ یہ احساس پیدا کرو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ (حدیث میں لفظ ”احسان“ ہے نا کہ عبادت ایسے کرو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ کیفیت نہیں تو پھر یہ احساس پیدا کرو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے، تو پہلا مرحلہ ہے کہ بندہ خدا کو دیکھے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ (وہ بندہ مجھے کہنے لگا: تمہارے مدرسوں، مسجدوں اور خانقاہوں میں لکھا ہوتا ہے کہ احساس پیدا کر کہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عبادت یوں کر کر کہ تو خدا کو دیکھ رہا ہے، تو تمہاری خانقاہ کے جملے حدیث کے خلاف ہیں۔ میں نے کہا: حدیث کے خلاف نہیں

ہیں، اس خانقاہ میں تربیت نبی کی نہیں ہے اس خانقاہ میں تربیت امتی کی ہے، اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے نبی نہیں آتے یہاں نماز پڑھنے کے لیے امتی آتے ہیں، امتی کی عبادت یہ ہے کہ یہ احساس پیدا کر کہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے اور نبی کی عبادت یہ ہے کہ یہ احساس پیدا کر کہ تو خدا کو دیکھ رہا ہے، خانقاہوں میں لکھا ہوا یہ جملہ نبی کے لیے نہیں ہے بلکہ امتی کے لیے ہے۔

مقتول فی اللہ اور مقتول فی سبیل اللہ:

ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ ابھی میں نے ”احسان“ کا معنی بیان کیا، احسان کا پہلا درجہ کہ بندہ خدا کو دیکھے اور خدا بندے کو دیکھے، احسان کا دوسرا درجہ کہ خدا بندے کو دیکھے بندہ خدا کو نہ دیکھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بندہ خدا کو دیکھے خدا بندے کو دیکھے یہ عبادت نبی کی ہے اور بندہ خدا کو نہ دیکھے خدا بندے کو دیکھے یہ عبادت امتی کی ہے۔ نبی پہ موت آتی ہے، نبی شہید ہوتے ہیں لیکن نبی نے خدا کو دیکھا ہوتا ہے، امتی شہید ہوتا ہے وہ خدا کو نہیں دیکھتا بلکہ خدا کے راستے کو دیکھتا ہے۔ جو خدا کو دیکھے اور قتل ہو جائے اسے ”مقتول فی اللہ“ کہتے ہیں اور جو خدا کے راستے کو دیکھے اور قتل ہو جائے اسے ”مقتول فی سبیل اللہ“ کہتے ہیں، نبی نے خدا کو دیکھا اور قتل ہوا یہ مقتول فی اللہ ہے شہید نے راہِ خدا کو دیکھا اور قتل ہوا یہ مقتول فی سبیل اللہ ہے۔ توجہ رکھنا۔ ”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ“ عبادت یوں کر کہ خدا تجھے دیکھے تو خدا کو دیکھے، اب یہ قتل ہوا تو ”مقتول فی اللہ“ ہے، ”فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ“ عبادت یوں کر کہ تجھے خدا دیکھے، اب قتل ہوا تو ”مقتول فی سبیل اللہ“ ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی خدا کو دیکھے خدا نبی کو دیکھے، اس نبی پر موت آئے یہ ”مقتول فی اللہ“ ہے، شہید خدا کو نہ دیکھے خدا شہید کو دیکھے

پھر قتل ہو جائے تو یہ ”مقتول فی سبیل اللہ“ ہے، تو جس نے راہِ خدا کو دیکھا اور قتل ہو گیا وہ زندہ ہے تو جس نے خدا کو دیکھا اور قتل ہو گیا وہ بڑھ کے زندہ ہے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین) اس لیے لفظ یاد رکھ لو کہ شہید مقتول فی سبیل اللہ ہے اور نبی مقتول فی اللہ ہے۔

قیامت کے بارے سوال:

پھر اس آنے والے نے سوال کیا:

فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ.

اللہ کے نبی! ہمیں بتائیں قیامت کب آئے گی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ.

اس سوال کا جواب تجھے بھی نہیں آتا، اس سوال کا جواب مجھے بھی نہیں آتا۔

قیامت کا حتمی علم:

توجہ رکھنا اور یہ جملہ سمجھنا! چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ کے نبی جواب نہ دیتے، اس لیے کہ جب انہوں نے پوچھا: اسلام کیا ہے؟ فرمایا: پانچ چیزیں، پوچھا: ایمان کیا ہے؟ فرمایا: چھ چیزیں، پوچھا: احسان کیا ہے؟ فرمایا دو چیزیں، پوچھا: قیامت کب آئے گی؟ آپ فرماتے مجھے نہیں پتا۔ جواب تو یہی بتا ہے کہ مجھے نہیں پتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب کیوں دیا؟ ذرا وجہ سمجھیں! اگر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں فرماتے مجھے نہیں پتا تو کسی کے ذہن میں اشکال آسکتا تھا کہ جب پوچھا اسلام کیا ہے؟ جواب دیا پانچ چیزیں، ایمان کیا ہے؟ فرمایا چھ چیزیں، تو اس آنے والے شخص نے کہا ”صَدَقْتُ“ (آپ نے سچ فرمایا) اس سے معلوم ہوتا تھا کہ سوال کرنے والے کو جواب آتا تھا لیکن پوچھ رہا تھا۔ جب سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟

تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے کہ مجھے نہیں پتا تو کسی کے ذہن میں یہ آسکتا تھا کہ اس سوال کا جواب اس شخص کو پتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پتا، اس لیے اللہ کے نبی نے فرمایا: مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ۔ کہ جب میں نے کہا: اسلام پانچ چیزیں ہیں تو تو نے کہا: ”صَدَقْتُ“ میں نے کہا: ایمان چھ چیزیں ہیں، تو نے کہا: ”صَدَقْتُ“ تو لوگ سمجھ کہ اس کا جواب تجھے آتا ہے، لیکن قیامت کا دن کب ہے؟ یہ مجھے بھی نہیں پتا اور تجھے بھی نہیں پتا۔ اب یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پتا لیکن اس آنے والے کو پتا ہے، ایسا نہیں کہہ سکتے۔

قیامت کی علامات:

اس نے کہا:

فَأَخْبِرُنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا۔

قیامت کی نشانیاں ہی بتادیں۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نشانیاں بتائیں۔

باندی اپنی مالکہ کو جنے گی:

فرمایا: أَنْ تَلِدَ الْأُمَمَةُ رَبَّتَهَا۔

فرمایا: جب وہ دور آجائے کہ باندی اپنی مالکہ کو جنے یعنی بیٹی کی حیثیت مالکہ کی بن جائے اور ماں کی حیثیت باندی کی بن جائے تو سمجھ لینا قیامت آنے لگی ہے۔

علماء نے عجیب نکتہ لکھا ہے کہ یہ کیوں فرمایا کہ جب بیٹی کی حیثیت مالکہ کی اور ماں کی حیثیت باندی کی بن جائے۔ اللہ کے نبی یہ بھی تو فرما سکتے تھے کہ جب ایسا دور آجائے کہ باپ یوں ہو جائے جیسے غلام ہے اور بیٹیوں ہو جائے جیسے مالک ہے، اللہ کے نبی نے باپ اور بیٹی کی مثال نہیں دی بلکہ ماں اور بیٹی کی مثال دی ہے یہ سمجھانے کے لیے کہ بیٹا باہر رہتا ہے، بیٹا طاقت والا ہے، بیٹا کماتا ہے، ہو سکتا ہے زور اور طاقت

کے ناز پہ باپ کو غلام بنالے لیکن بیٹی تو گھر میں ہے، صنفِ نازک ہے، کمزور ہے، جب ایسا دور آجائے کہ بیٹیاں کمزور ہونے کے باوجود مالکن بننے کی کوشش کریں تو سمجھو قیامت قریب آرہی ہے۔

چرواہے عمارتیں بنانے لگیں گے:

وَأَنْ تَرَى الْخَفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوُلُونَ فِي الْبُئْيَانِ.

فرمایا: جب دیکھو کہ ایک آدمی کے پاؤں میں جوتے بھی نہیں ہیں، اس کے جسم پر کپڑا بھی نہیں ہے، پیٹ میں روٹی بھی نہیں ہے اور بکریاں چرانے والا ہے جب ایسے آدمی لمبی لمبی عمارتیں کھڑی کریں تو سمجھ لینا قیامت آرہی ہے۔

میں ایک جملہ کہتا ہوں کہ اُس دور میں یہ بات سمجھنی بڑی مشکل تھی لیکن آج کے دور میں سمجھنی بڑی آسان ہے۔ اُس دور میں سمجھنی بڑی مشکل تھی کہ بکریوں کا چرواہا جس کے پاس کھانے کے لیے روٹی نہیں ہے، پہننے کے لیے کپڑا نہیں ہے، پاؤں میں جوتیاں نہیں ہیں یہ اونچی منزلیں کیسے بنائے گا؟! یہ بات سمجھنی بڑی مشکل تھی لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان ایسا تھا کہ اگر کوئی مثال نظر نہیں آرہی، سمجھنا مشکل ہو رہا ہو لیکن مان تب بھی لیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک فرمایا ہے۔ اب اس کا معنی کیا ہے؟ میں آج کے ماحول کے اعتبار سے اس کے دو معنی بتاتا ہوں۔

بھکاری اور لاکھوں کا بینک بیلنس:

آدمی کے پاس بظاہر کپڑے بھی نہیں ہیں، پاؤں میں جوتا بھی نہیں ہے، غریب آدمی ہے اور پیٹ پہ ہاتھ رکھ کر دوسروں سے بھیک مانگتا ہے صبح سے شام تک، لگتا ہے پیٹ میں بھی کچھ نہیں ہے لیکن بینک بیلنس دیکھو اس کا، تاجر سے زیادہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق بنتا نہیں ہے لیکن مانگنا پیشہ ہے۔ جب یہ دور آئے تو سمجھیں قیامت آرہی ہے۔ آج ایسے حالات ہیں کہ نہیں؟ [ہیں۔ سامعین] پاؤں سے ننگا ہوگا،

کپڑے پھٹے ہوں گے اور اس نے پیٹ پہ ہاتھ رکھا ہو گا کہ صبح سے بھوکا ہوں ابھی تک کھانا نہیں کھایا، بچے بھی بھوک سے مر رہے ہیں، دس روپے دے دو۔ اس کو تیس بندے سو روپے دیں تو تین ہزار بنتے ہیں ایک دن کے، تین ہزار ہوں تو مہینے کے نوے ہزار بنتے ہیں۔ بجلی کا بل بھی نہیں دیتا، دکان کا کرایہ بھی نہیں دیتا، سامان خرید کر بھی نہیں لاتا، اب اس بندے کو نوے ہزار مہینے کامل جائے تو آپ دیکھیں سال کے بعد اس کے اکاؤنٹ میں دس ساڑھے دس لاکھ روپیہ نکلتا ہے۔ یہ بلڈنگ تو بنا سکتا ہے نا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سمجھائی ہے۔ اُس دور میں اگرچہ سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر بھی مان لی ہے۔

ذات کی تبدیلی:

دوسرا مطلب میں آج کے دور میں یوں پیش کرتا ہوں کہ آدمی ہوتا قوم کا چرواہا ہے، قوم کا گھٹیٹا ہے، دیہات میں رہتا تھا لوگ اس کی قوم کو جانتے تھے، شہر میں آیا، بزنس بدل گیا، اب قوم بھی بدل گئی۔ میں مثال نہیں دیتا کہ اگر مثال فٹ آگئی تو آپ نے کہنا ہے کہ مولوی صاحب نے اساڑے بارے وچ آکھیا اے (مولانا صاحب نے ہمارے بارے میں کہا ہے) ایسا ہو سکتا ہے نا؟ [جی۔ سامعین]

مثال فٹ آگئی:

ایک آدمی نے مجھے کہا کہ ہماری ہمیشہ نے خواب دیکھا ہے، آپ تعبیر بتائیں۔ میں نے اس کو تعبیر بتائی کہ تمہارے خاندان کا قریبی آدمی گورنمنٹ کا ملازم ہے اور سرکاری مال کھاتا ہے اسے کہو کہ توبہ کرے۔ جب وہ لڑکا گھر تعبیر لے کر گیا۔ اسی وقت گھر سے بڑے بھائی کا فون آیا: ”مولوی صاحب اساڑی تساڑی کیڑی لڑائی اے؟! (مولانا صاحب! ہماری اور آپ کی کیا لڑائی ہے؟) میں نے کہا: کیوں؟ کہنے لگا: بہن نے کہا ہے کہ مولانا صاحب نے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔ میں نے کہا: مجھے

پتا ہی نہیں کہ آپ سرکاری ملازم ہیں، اس نے خواب دیکھا میں نے تعبیر بتائی، فٹ آپ پر آئی ہے تو میرا کیا قصور ہے۔

اس لیے میں مثالیں نہیں دیتا کہ اگر فٹ آجائیں تو کہیں گے کہ مولانا صاحب نے تقریر ہمارے خلاف کی ہے، کسی نے کان بھرے ہوں گے کہ یہ بات ضرور کریں حالانکہ بندے کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوتا۔ میں صرف اتنی بات سمجھا دیتا ہوں کہ گاؤں میں تھا تو قوم اور تھی، شہر میں آیا تو قوم اور ہے، فقیر تھا تو قوم اور تھی، پیسے ملے تو قوم اور ہے۔ توجب دولت کی بنیاد پر قومیں بدلی جانے لگیں تو سمجھو قیامت آرہی ہے۔

آنے والا کون تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا.

جب یہ سوال وجواب ہوئے وہ آدمی چلا گیا تو میں کچھ عرصہ اسی سوچ میں رہا کہ یہ آدمی کون ہو گا؟

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند دن بعد فرمانے لگے:

يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟

عمر! جانتے ہو یہ سوال کرنے والا کون تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتا نہیں تھا کہ یہ سوال کرنے والا کون ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب سنو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ عرض نہیں کیا کہ ”حضور! مجھے نہیں پتا کہ سوال کرنے والا کون تھا۔“ بلکہ یہ کہا:

”اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ.“

اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔

اس سے ہم نے ایک مسئلہ سمجھنا ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرمادیتے کہ مجھے نہیں پتا تو اس سے یہ تو پتا چلتا کہ حضرت عمر کو نہیں پتا لیکن اس جواب سے یہ پتا نہ چلتا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا ہے یا نہیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سائل کون ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ مجھے نہیں پتا۔ اس جواب سے حضرت عمر کی لاعلمی تو ثابت ہوتی لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ثابت نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمر نے ایسا جملہ بولا جس سے اپنی لاعلمی بھی ثابت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی مانا کہ ”حضور! آپ کو تو پتا ہے مجھے پتا نہیں تو کیا ہوا۔“ حضرت عمر نے ادب بتایا ہے کہ بڑا جب بات پوچھے تو یوں کہنا چاہیے کہ ”آپ فرمادیں، آپ بہتر سمجھتے ہیں۔“

”اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ“ کہنے کی وجہ:

اس سے ایک اور بات سمجھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کیوں فرمائی؟ اس پر میں ایک مثال دیتا ہوں پھر بات سمجھاتا ہوں۔ مثلاً سکول میں چھٹی ہے، آپ مارکیٹ جانے لگے ہیں، بیٹا کہتا ہے کہ میں نے بھی ساتھ جانا ہے، ابوجی! شاپنگ میں نے بھی کرنی ہے۔ آپ بیٹے سے پوچھتے ہیں: جیب میں کچھ پیسے بھی ہیں؟ وہ یہ نہیں کہتا کہ میری جیب میں پیسے نہیں ہیں، کیوں؟ اگر وہ یہ کہہ دے میرے پاس پیسے نہیں ہیں، آپ کہیں گے کہ بیٹا! پھر تو شاپنگ کیسے کرے گا؟ اب لمبا سوال و جواب چلے گا۔ بیٹا یہ نہیں کہتا کہ میری جیب میں پیسے نہیں ہیں، وہ باپ کی جیب پہ ہاتھ رکھ دیتا ہے کہ ابو! میری جیب میں نہیں تو کیا ہوا آپ کی جیب میں تو ہیں نا! آپ کی جیب میں نہ ہوتے تو پھر مسئلہ تھا میری جیب میں نہ ہوں کیا فرق پڑتا ہے؟! اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچہ بتانا چاہتا ہے کہ میری جیب میں ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا آپ کی جیب میں ہوں تو ہم شاپنگ کر لیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عمر! جانتے ہو وہ سائل کون تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ مجھے نہیں پتا بلکہ آپ نے کہا: حضور! آپ کو تو پتا ہے نا، (ہمیں پتا نہ ہو تو کیا فرق پڑتا ہے، مسئلہ تب ہو جب آپ کو پتا نہ ہو، ہمیں پتا نہیں ہے تو ہم آپ سے پوچھ لیں گے)

آنے والا جبرئیل تھا:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 فَإِنَّهُ جَبْرِيْلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنََكُمْ.

یہ حضرت جبریل تھے، تمہارے پاس آئے تھے تاکہ تمہارا دین تمہیں سکھائیں۔

اب الفاظِ نبوت پہ غور کرنا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کس کے پاس آئے تھے؟ [حضور پاک کے پاس۔ سامعین] اور حضور فرما رہے ہیں ”اَتَاكُمْ“ تمہارے پاس آئے ہیں۔

آمدِ جبرئیل کا مقصد:

میں اس کی مثال دیتا ہوں۔ اسٹیج پر مولانا عبد الرشید صاحب اعلان کرتے ہیں: ”یہ مولانا صاحب تمہارے لیے آئے ہیں، ہم نے تمہارے لیے بلایا ہے، اب تم بات نہیں سنتے تو کون سنے گا؟ ہم نے آپ کے لیے ہی بلایا ہے۔“ اللہ کے نبی بھی سمجھانا چاہ رہے ہیں:

إِنَّهُ جَبْرِيْلُ أَتَاكُمْ.

اے عمر! یہ جبریل تھے۔

آئے بیشک میرے پاس ہیں لیکن آئے تمہارے لیے ہیں۔ تمہارے پاس

کیوں آئے ہیں؟

”يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ“

مجھے سکھانے کے لیے نہیں بلکہ تمہیں سکھانے کے لیے آئے ہیں۔

کیونکہ جبریل معلم مصطفیٰ نہیں ہوتا، دنیا میں نبی کا اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی استاذ نہیں ہوتا، نبی کا استاذ خدا ہوتا ہے، جبریل استاذ نہیں۔ جبریل درمیان میں واسطہ ہوتا ہے، اگر جبریل کو استاذ مان لو گے تو استاذ کا مقام بڑھ جائے گا، شاگرد کا کم ہو جائے گا لیکن نبی کا مقام جبریل کے مقام سے بڑھ کر ہے، اس لیے فرمایا:

”يُعَلِّمُكُمْ“

یہ تمہیں سکھانے کے لیے آیا ہے، مجھے سکھانے کے لیے نہیں آیا۔

اس کی مثال بالکل ایسے ہے جیسے استاذ سبق پڑھاتا ہے، شاگرد سبق پڑھ رہے ہیں، استاذ ایک بندے کو کہتا ہے: یہ کتاب لو اور اس طالب علم کو دے دو، کوئی بندہ یہ نہیں کہتا کہ درمیان والے استاذ ہیں بلکہ یہی کہتا ہے کہ استاذ یہ ہیں شاگرد یہ ہے اور یہ درمیان میں واسطہ ہے۔ بالکل اسی طرح خدا استاذ ہے، مصطفیٰ شاگرد ہے اور جبریل درمیان میں واسطہ ہے۔

دین محمد؛ صحابہ سے ملے گا:

پھر فرمایا: ”دِينَكُمْ“

تمہارا دین، یہ نہیں فرمایا: ”دِينِي“ میرا دین...

اس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات سمجھائی ہے ذرا توجہ سے سمجھنا۔ قرآن مجید کو دیکھیں۔ دو موقعوں پر اللہ نے عجیب لفظ استعمال فرمایا، فرمایا:

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا
أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ

وَلِي دِينٌ ۝

”دین“ اصل میں ”دینی“ ہے اور یہاں ”می“ گری ہے یہ عربی قاعدے کی وجہ سے ہے یعنی ”میرا دین“۔ اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ آپ اعلان فرمائیں کہ اے مشرکین مکہ! تمہارا دین تمہارے لیے، میرا دین میرے لیے۔

مکہ میں خدا نے دین کی نسبت حضور پاک کی طرف کی ہے۔ مدینہ منورہ میں فرمایا: اَلْيَوْمَ اُكْمِلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ۔

[آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا]

اب مدینہ میں دین کی نسبت اللہ نے صحابہ کی طرف کی ہے، آخر فرق کیا ہے؟ مکہ میں دین کی نسبت حضور کی طرف کی ہے، مدینہ میں دین کی نسبت صحابہ کی طرف کی ہے، یہ بتانے کے لیے کہ جب دین شروع ہوا تو ”دین محمد“ ہے اور جب دین مکمل ہوا تو یہ دین ”دین صحابہ“ ہے۔ دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ملے گا تو صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے ملے گا، ان کو درمیان سے نکال دو تو دین محمد مل ہی نہیں سکتا۔ اس لیے فرمایا: ”يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ“

جبریل آیا بھی تمہارے لیے ہے، سکھایا بھی تمہیں ہے اور یہ دین بھی تمہارا ہے۔ میں جارہا ہوں، اب تم نے دین کی حفاظت کرنی ہے۔

حدیث جبرائیل کی جامعیت:

اس حدیث کا نام ہے ”حدیث جبرائیل“ ذرا خلاصہ سنیں۔ یہ حدیث پورے دین کا خلاصہ ہے، اسے ”ام السنہ“ بھی کہتے ہیں۔ دین نام ہے کچھ چیزوں کا:

(۱) ایمانیات، (۲) اسلامیات، (۳) احسانات۔

میں اور آسان کرتا ہوں: (۱) عقائد، (۲) مسائل، (۳) تصوف۔

ان تین چیزوں کا نام ”دین“ ہے۔

آپ کہیں گے جی کیوں؟ میں کہتا ہوں: انسان میں تین چیزیں ہیں۔

انسان کا جسم ہے، جسم میں دل ہے، دل میں کیفیت ہے۔ جس کا تعلق انسان کے جسم سے ہے اسے ”اسلام“ کہتے ہیں، جس کا تعلق انسان کے دل سے ہے اسے ”ایمان“ کہتے ہیں، جس کا تعلق دل کی کیفیت سے ہے اسے ”احسان“ کہتے ہیں۔ پہلے سوال اسلام کے بارے میں تھا جو ظاہر بدن سے ہے، پھر سوال ایمان کے بارے میں تھا جو قلب بدن سے ہے، پھر تصوف کے بارے میں تھا جو انسان کی قلبی کیفیات سے ہے۔

دین کیا ہے؟

تو دین نام ہے تین چیزوں کا:

✽ ”عقائد“ اسے ایمان کہتے ہیں۔

✽ ”مسائل“ اسے اسلام کہتے ہیں۔

✽ ”اخلاق“ اسے احسان کہتے ہیں۔

❖ اگر کسی نے ایمان پڑھنا ہو یعنی عقیدہ سیکھنا ہو یہ ملتا ہے ”متکلم“ سے۔

❖ اگر مسائل پوچھنے ہوں یہ ملتے ہیں ”فقہ“ اور ”مفتی“ سے۔

❖ اگر کسی نے احسان یعنی تصوف سیکھنا ہو تو یہ ملتا ہے ”شیخ طریقت“ سے۔

✽ جس علم میں عقیدہ ہو اسے ”علم کلام“ کہتے ہیں۔

✽ جس میں مسائل ہوں اسے ”علم فقہ“ کہتے ہیں۔

✽ جس میں اخلاق ہوں اسے ”علم تصوف“ کہتے ہیں۔

پتایہ چلا کہ دین میں تین چیزیں ہیں:

☆ علم الکلام... یہ عقیدہ ہے۔

☆ علم المسائل... یہ فقہ ہے۔

☆ علم الاخلاق... یہ تصوف ہے۔

دیوبند کا اعزاز:

آپ حیران ہوں گے دیوبند کے پاس ”متکلم“ بھی ہیں، دیوبند کے پاس ”فقہ“ بھی ہیں، دیوبند کے پاس خانقاہ و طریقت کے ”شیخ“ بھی ہیں۔ عقیدہ چاہیے ”علم الکلام“ بھی ہے، مسائل چاہئیں ”علم الفقہ“ بھی ہے، طریقت چاہیے ”علم التصوف“ بھی ہے۔ یہ سب کچھ دیوبند والوں کے پاس موجود ہے تو بتاؤ پھر دائیں بائیں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟! اس لیے میں کہتا ہوں کہ جرات سے کہا کریں کہ ہم دیوبندی ہیں، اس میں جھجکنا نہیں چاہیے۔

جب کسی سے اس کی قوم کے بارے میں پوچھیں کہ آپ کون ہیں؟ تو کہتے ہیں: گو ندل، آپ کون ہیں: میں شیخ، آپ کون ہیں: میں ارائیں، آپ کون ہیں: وٹو، یہ ساری قومیں بتاتے جارہے ہیں اور جب مسلک کی باری آتی ہے تو کہتے ہیں: نانا دیوبند نہ کہنا، عجیب بات ہے!! شیخ الہند دیوبند، مولانا تھانوی دیوبند، حضرت مدنی دیوبند، عطاء اللہ شاہ بخاری دیوبند، شیخ زکریا دیوبند، قاری طیب دیوبند، مفتی محمود دیوبند، مولانا الیاس دیوبند، اب تک تجھے جو کچھ ملا وہ دیوبند سے ملا ہے، مسجد دیوبند کی، مقتدی دیوبند کا، مفتی دیوبند کا، خطیب دیوبند کا۔

بعض لوگ مجھے کہتے ہیں: ہماری مسجد میں یہ ”دیوبند“ نہ کہنا، تو میں کہتا ہوں پھر کسی اور کو بلاؤ، بات ٹھیک ہے کہ غلط ہے؟ [ٹھیک ہے۔ سامعین] یہ مسجد کس کی ہے؟ دیوبند کی۔ میں نے کسی کو برا کہا؟ [نہیں۔ سامعین] اپنی بات تو کہہ سکتا ہوں۔ ہم اپنے مسلک کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔ قوم اس لیے برباد ہوتی ہے کہ ہم نہ اپنے عقائد بتاتے ہیں، نہ اپنے اکابر بتاتے ہیں، نہ مسائل بتاتے ہیں اس لیے لوگ تنقیدی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ شائد ان میں کمی ہے، بجز اللہ دیوبند میں کمی نہیں ہے۔ اللہ ہمیں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حدیث جبرائیل کا خلاصہ:

تو اس حدیث کا نام ہے ”حدیث جبرائیل“ اسلام خلاصہ ہے تین چیزوں کا
(۱) ایمان (۲) اسلام (۳) احسان۔

ایمان... یہ ”عقائد“ ہیں۔

اسلام... یہ ”مسائل“ ہیں۔

احسان... یہ ”اخلاق“ ہیں۔

ہم تینوں کو مانتے ہیں۔ اگر ان تینوں کو مان لیا جائے تو قیامت میں اچھا بدلہ ہے اور اگر نہ مانیں تو پھر برابر بدلہ ہے۔ یہ پورے دین کا خلاصہ تھا جو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے دین پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین.

عنوان: خصوصیاتِ پیغمبر ﷺ
(حصہ اول)

تاریخ: 3 مارچ 2014ء

مقام: جامع مسجد موتی 2 بلاک سرگودھا

خصوصیاتِ پیغمبر ﷺ (1)

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ
وَمَنْ يُّضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ
سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَمَّا بَعْدُ!

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَضَّلْتُ عَلَى
الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُجِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ
وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِي
النَّبِيُّونَ.

(صحیح مسلم: حدیث نمبر 522)

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى
آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

تمہیدی کلمات:

میں نے آپ حضرات کی خدمت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک
حدیث مبارک تلاوت کی ہے جو کہ صحاح ستہ میں سے صحیح مسلم میں موجود ہے اور اس
کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

راوی حدیث کا مختصر تعارف:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل نام کیا تھا؟ اس میں محدثین کے
کئی اقوال ہیں لیکن رائج یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمن بن صخر تھا رضی اللہ عنہ۔ ان کو
”ابو ہریرہ“ کیوں کہتے ہیں؟ ”هَرَّة“ عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے ”بلی“ اور

”ہریرۃ“ کا معنی ہے ”بلی کا بچہ“۔ ”ہرۃ“ کا معنی ہے ”بلی“ اور ”ہریرۃ“ اس کی تصغیر ہے بمعنی ”بلی کا بچہ“، جیسے ہم کسی آدمی کو بلائیں تو کہتے ہیں: ”بھائی بات سنیں!“ اور اگر اس کو یہ ظاہر کرنا ہو کہ چھوٹا ہے تو کہتے ہیں: ”چھوٹو! بات سن“ اب چھوٹو کا معنی یہ ہے کہ عمر اس کی کافی ہے لیکن قد چھوٹا ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں تصغیر بھی چلتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور ان کے ہاتھ میں یا ان کے بازو میں بلی کا بچہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ”ابو ہریرہ“ فرما دیا اللہ کے نبی کا دیا ہوا نام اتنا مقبول ہوا کہ آج ان کا نام کوئی نہیں جانتا، ”ابو ہریرہ“ سارے جانتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ”عبدالرحمن“ ہے، کنیت ”ابو ہریرہ“ ہے۔ کنیت ہوتی ہے بیٹے کی وجہ سے کہ انسان بیٹے کی وجہ سے پکارا جائے تو کنیت بنتی ہے اگر بیٹے کا نام ”عبداللہ“ ہے تو باپ کو کہیں گے ”ابو عبداللہ“ بیٹے کا نام ”عبدالرحمن“ ہے تو باپ کو کہیں گے ”ابو عبدالرحمن“ لیکن ان کے کسی بچے یا بیٹی کا نام ہریرہ نہیں تھا تو ان کو ابو ہریرہ کیسے کہہ دیا گیا؟! یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ بہت سارے حضرات کو عربی ادب یا عربی لغت نہ سمجھنے کی وجہ سے غلط فہمی ہوتی ہے۔

ہمارے امام امام ابو حنیفہ:

ہمارے امام امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا نام ”نعمان“ ہے، ”ابو حنیفہ“ ان کی کنیت ہے۔ اب بعض لوگ جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخالف ہیں، ان کی تقلید نہیں کرتے بلکہ ان کی تردید کرتے ہیں تو وہ ایک الزام یہ لگاتے ہیں ہم پر کہ ”تم عجیب لوگ ہو کہ تم نے اپنے مذہب کی نسبت ایک لڑکی کی طرف کی ہے۔ کہتے ہیں ”حنیفہ“ یہ نعمان کی بیٹی کا نام ہے، ان کو بیٹی کی وجہ سے ابو حنیفہ کہا جاتا ہے۔ تمہاری نسبت حنفی ہونے کی یہ لڑکی کی وجہ سے ہے۔“

اب دیکھو پہلے بنیاد غلط بنائی ہے اور پھر الزام ہم پر غلط لگایا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا صرف ایک بیٹا ہے جس کا نام حماد ہے، ان کے علاوہ نہ ان کا بیٹا ہے اور نہ ان کی بیٹی ہے۔

(الخصایر الحسان لابن حجر المکی: ص 71)

تو جب ان کی بیٹی تھی نہیں تو پھر ہم پر اعتراض کرنا کہ تمہاری نسبت ایک لڑکی کی طرف ہے بتاؤ اس سے زیادہ غلط اعتراض کیا ہو گا؟! ”ابو حنیفہ“ کنیت و صنفی ہے:

البتہ بندے کے ذہن میں یہ سوال ضرور آتا ہے کہ جب بیٹی کا نام ”حنیفہ“ نہیں تھا تو پھر ابو حنیفہ کیوں کہتے ہیں؟ اس کا جواب میں سمجھانے لگا ہوں۔ عربی زبان میں ”اب“ کا معنی کبھی ”باپ“ ہوتا ہے اور کبھی اس کا معنی ”والا“ ہوتا ہے۔ تو کبھی ”اب“ کا معنی باپ ہوتا ہے... ابو القاسم یعنی قاسم کا باپ، ابو الزبیر یعنی زبیر کا باپ، اور کبھی ”اب“ کا معنی ”والا“ ہوتا ہے۔

نام ہے عبد اللہ اور ان کی کنیت ہے ”ابو بکر“، اب ابو بکر کا معنی یہ نہیں کہ بکر کا باپ، ابو بکر کا معنی ہے ”بکر والا“۔ عربی زبان میں بکر کا معنی ہوتا ہے ”پہل کرنا“ چونکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر موقع پر پہل کی ہے تو کنیت ابو بکر پڑی ہے کہ پہل کرنے والا، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ بکر کا باپ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ حضرت علی گھر میں نہیں تھے۔ حضرت زہراء سے پوچھا تو عرض کرنے لگیں کہ حضرت علی گھر میں نہیں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں گئے، حضرت علی المرتضیٰ مٹی پر لیٹے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قم یا ابا تراب“ اے ابو تراب اٹھ جا! اب ابو تراب کا معنی مٹی کا باپ نہیں ہے بلکہ مٹی پر لیٹنے والا ہے۔

تو ”اب“ کا معنی ”والا“ ہے۔ نام عبد الرحمن بن صخر ہے اور کہتے ”ابو ہریرہ“ ہیں۔ ابو ہریرہ کا معنی بلی کا باپ نہیں ہے بلکہ ابو ہریرہ کا معنی بلی رکھنے والا ہے۔

”ابو حنیفہ“ کنیت کی وجہ:

حضرت امام اعظم کا نام نعمان ہے اور ابو حنیفہ کا معنی ”حنیفہ والا“ ہے، حنیفہ عربی زبان میں دوات کو بھی کہتے ہیں۔ امام صاحب کی مجلس میں اس قدر دواتیں اور قلمیں ہوتی تھیں کہ امام صاحب بولتے رہتے اور شاگرد دکھتے رہتے۔ اس کثرت دوات کی وجہ سے کہا گیا ”ابو حنیفہ“ یعنی دوات والا۔ یا ”حنیفہ“ اس لیے کہتے ہیں کہ حنیفہ کا معنی وہ دین ہے جو بالکل خالص ہو اور اس میں باطل کی ذرا بھی آمیزش نہ ہو۔

”ابو حنیفہ“ کیوں کہتے ہیں؟ اس لیے کہ آپ کے بارے میں منقول ہے:

أَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَهُ الشَّرِيعَةَ وَرَتَّبَهُ أَبَوًا.

(تبئض الصحیفہ للسیوطی: ص 129)

جس نے سب سے پہلے دین لکھوایا ان کا نام نعمان بن ثابت ہے، تو یہ دین حنیف لکھوانے میں پہل کرنے والے ہیں اس لیے ان کو ابو حنیفہ کہا ہے۔ اب جس نے اعتراض ہم پر کیا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو تاریخ نہیں آتی اسی لیے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی کا نام حنیفہ رکھ دیا اور ایسے شخص کو عربی بھی نہیں آتی اس لیے ”اب“ کا معنی باپ کر لیا۔ اگر تاریخ اور عربی آتی تو لوگ ہم اہل السنۃ والجماعت احناف علماء دیوبند پر اعتراض نہ کرتے۔ خیر ہمیں اعتراض سننا چاہیے اور اس کا جواب بھی دینا چاہیے۔

یہ میں نے ہلکا سا صحابی کا تعارف کرایا ہے، پھر کبھی موقع ملا تو ان شاء اللہ تفصیل سے اس پر بات کر لیں گے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے درمیان مناسبتیں کیا ہیں؟

آپ علیہ السلام کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ**.

مجھے اللہ نے باقی انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں میں فضیلت عطاء فرمائی ہے یعنی چھ انعامات اللہ نے مجھ کو وہ دیے ہیں کہ جو پہلے انبیاء کو نہیں دیے۔

أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُجِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ.

مجھے جوامع الکلم دیے گئے ہیں اور مجھے رعب عطا کر کے میری مدد فرمائی گئی ہے مال غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا ہے پوری زمین کو میرے لیے پاک کرنے والا بنایا گیا ہے پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنایا گیا ہے مجھے ساری کائنات کا نبی بنادیا گیا ہے۔

یہ چھ نعمتیں مجھے اللہ دی ہیں جو پہلے انبیاء کو نہیں دیں آپ حضرات نے چھ میں سے ہر ایک کو تھوڑا سا سمجھنا ہے۔

”جوامع الکلم“ کیا ہیں؟:

اعطيت جوامع الكلم۔

مجھے اللہ نے جوامع الکلم دیے ہیں، جوامع الکلم کا مطلب کیا ہے؟ ”کلم“ جمع ہے کلمہ کی، اب جوامع الکلم کا معنی یہ ہے کہ خدا نے مجھے وہ کلمات عطاء فرمائے ہیں جو جامع ہیں۔ عربی زبان کا لفظ ہے ”کلمۃ“، عربی زبان کا لفظ ہے ”کلمۃ جامعۃ“۔ کلمۃ کہتے ہیں: **الكلمة لفظ وضع لمعنى مفرد**.

کلمہ اس ایک لفظ کو کہتے ہیں جس کا معنی ایک ہوتا ہے۔

اور کلمہ جامعہ اس لفظ کو کہتے ہیں کہ لفظ ایک ہوتا ہے اور اس کے معانی کئی سو یا کئی ہزار ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ.

مجھے اللہ نے جوامع الکلم دیے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء کو کلم دیے ہیں، گزشتہ انبیاء کو جتنے مسائل چاہیے تھے اتنے مسائل کے لیے اللہ نے کلمات عطاء فرمادیے اور ہمارے نبی کو جتنے مسائل چاہیے تھے اگر اللہ اتنے کلمات عطاء فرماتے تو بتائیں ان کلمات کو کون سا پریس چھاپ لیتا، کون سا قلم لکھ لیتا، کون سا سینہ محفوظ رکھ لیتا اور کون سا بندہ پڑھ لیتا؟! حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے نبی ہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو قیامت تک کروڑوں مسائل پیش آنے ہیں، اگر اللہ کے نبی کو کروڑوں مسائل کے لیے کروڑوں کلمات عطاء کر دیے جاتے تو بتائیں یہ کروڑ کلمات کون سا پریس چھاپتا، کون لکھتا اور کون ان کو پڑھتا!؟

اللہ نے کرم کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کروڑوں مسائل عطاء فرمائے ان کروڑوں مسائل کے لیے اللہ نے نبی کو کلمات بہت کم عطاء فرمائے، الفاظ تھوڑے ہیں مسائل زیادہ ہیں یہ ہمارے نبی کی خصوصیت ہے۔

جب میں اس کی مثالیں دوں گا تو پھر آپ کی سمجھ میں بات آتی ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

ابو عمیر! چڑیا کے بچے کا کیا بنا؟

ایک مثال تو وہ سمجھیں جو شمائل ترمذی کی شرح خصائل نبوی میں ہے جو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے تحریر فرمائی ہے اور اس میں ایک عجیب مثال دی

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ہیں انس بن مالک رضی اللہ عنہ، یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بچپن میں آئے ہیں دس سال حضور کی خدمت کی ہے، ان کے چھوٹے بھائی تھے، ان کا نام ابو عمیر تھا۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عمیر کو دیکھا کہ وہ غزدہ ہیں، غزدہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس ایک چڑیا کا بچہ تھا انہوں نے پنجرے میں رکھا ہوا تھا وہ فوت ہو گیا۔ ابو عمیر سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ التُّغَيْرُ؟

”تغیر“ عربی زبان میں چڑیا کے بچے کو کہتے ہیں، ”ابو عمیر“ کا معنی عمیر کا باپ ہے۔ حضور علیہ السلام نے مزاح میں پوچھا: ابو عمیر! وہ چڑیا کے بچے کا کیا بنا، وہ چڑیا کا بچہ کدھر گیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام مزاح میں فرمایا۔ میں سمجھانے کے لیے کہتا ہوں کہ جیسے آپ کے گھر میں بچہ ہے، آپ اس کو کھیلنے کے لیے بال دیتے ہیں، آپ نے گھر میں دیکھا کہ بال نہیں تھی، آپ نے مزاح میں اس سے پوچھا: تیری بال کدھر گئی؟ اس کو اچھال کر تو نہیں مارا کہ ہمسائیوں کے گھر چلی گئی ہے؟ یہ مزاح میں آپ نے کہا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح میں اس سے پوچھا: ابو عمیر! وہ چڑیا کے بچے کا کیا بنا؟

مزاح سے مستنبط مسائل:

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح میں ایک جملہ فرمایا اور فقہاء نے اس ایک جملہ سے سو مسائل اخذ فرمائے ہیں۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح میں یہ جملہ فرمایا اور فقہاء نے سو مسئلے نکالے ہیں۔ اب دیکھو کلمہ ایک ہے اور مسئلے سو ہیں اور اگر ہر مسئلے کے لیے الگ

کلمہ ہوتا تو سو حدیثیں بن جاتیں، اب مسائل سو اور حدیث ایک ہے۔ یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ مسائل سو کیسے نکالے؟ میں دو چار مسئلے عرض کرتا ہوں:

مسئلہ نمبر 1: حضرت ابو عمیر ابھی بچے ہیں، ان کا نکاح بھی نہیں ہوا، صاحب اولاد بھی نہیں ہیں، اب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”ابو عمیر“

اب مسئلہ یہ نکلا کہ جس کی اولاد نہ ہو اس کو اولاد کی کنیت کے ساتھ پکارا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک بندے کا ”خیر“ بیٹا نہیں ہے اور کنیت ہے ”ابوالخیر“، جب اس کا نکاح ہی نہیں ہوا تو ”ابوالخیر“ کیسے بنا؟ اب کتنی بچیوں کے نام ”ام ایمن“ رکھتے ہیں، اس کی اولاد ابھی پیدا نہیں ہوئی تو یہ ”ام ایمن“ کیسے بنی ہے؟ تو آیا ایسی کنیت رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یا ابا عمیر“ اس سے ثابت ہوا کہ ایسی کنیت رکھنا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 2: حضرت ابو عمیر بچے ہیں، ان کے ساتھ مزاح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کیا بڑا چھوٹے کے ساتھ دل لگی کر سکتا ہے یا نہیں؟ کیا بڑا چھوٹے کے ساتھ مزاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کر سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3: ابو عمیر بچے ہیں اور ان کے گھر میں چڑیا کا بچہ تھا وہ فوت ہو گیا۔ اب وہ غمزدہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مزاح فرما رہے ہیں۔ اس سے پتا چلا کہ غمزدہ بندے کے ساتھ خوش طبعی کر سکتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 4: اگر چڑیا کا بچہ ہو اس کو پنجرے میں کوئی رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رکھ سکتا ہے۔

اب دیکھو کلمہ ایک ہے اور مسائل سو ہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ یہ میرا اعزاز ہے کہ خدا نے مجھے کلمات تھوڑے دیے ہیں اور معنی زیادہ عطاء فرمائے ہیں۔

میں اور مثال دیتا ہوں، دو چار مثالیں اچھی طرح سمجھ لیں تو پھر سارا مضمون سمجھ آ جائے گا۔

اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ.

(صحیح البخاری: حدیث نمبر 1)

اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اب اس سے مسائل کتنے نکلتے ہیں ذرا وہ سمجھیں! مجھ سے کسی شخص نے پوچھا: عموماً آپ حضرات جنازہ جس وقت پڑھاتے ہیں تو جنازے سے قبل امام اعلان کرتا ہے ”نیت کر لو چار تکبیر نماز جنازہ، ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے، درود واسطے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے، دعا واسطے حاضر اس میت کے، منہ طرف کعبہ شریف کے، پیچھے اس امام کے اللہ اکبر“ میں نے کہا: کرواتے ہیں۔ مجھے کہنے لگا یہ جو نیت آپ کرواتے ہیں یہ کہاں لکھا ہے؟ میں نے کہا: صحیح بخاری شریف میں لکھا ہے۔ مجھے کہتا ہے: بخاری کی کون سی حدیث میں ہے؟ میں نے کہا: بخاری کی پہلی حدیث میں لکھا ہے۔ کہنے لگا جی سنائیں۔ میں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ.

اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔

جیسی نیت ہو گی ویسا عمل ہو گا۔ مجھے کہنے لگا کہ آپ میرا سوال نہیں سمجھے۔

میں نے کہا: میں آپ کا سوال سمجھا ہوں، آپ میرا جواب نہیں سمجھے۔ کہتا ہے جی کیا مطلب؟ میں نے کہا: تیرا سوال یہ ہے کہ تم جو زبان سے نیت کرتے ہو یہ کہاں ہے، کیا یہی سوال ہے؟ کہتا ہے: جی ہاں یہی سوال ہے۔ میں نے کہا: میں نے اس لیے کہا کہ میں تیرا سوال سمجھا ہوں تو میرا جواب نہیں سمجھا۔

میں نے اس سے پوچھا: بتاؤ ہم کیا کہتے ہیں، نیت کرو یا نیت کہو؟ کہتا ہے: جی آپ کہتے ہیں نیت کرو۔ میں نے کہا: ایک ہوتا ہے ”کرنا“ اور ایک ہوتا ہے ”کہنا“، کرنا ہوتا ہے دل سے اور کہنا ہوتا ہے زبان سے، ہم اگر کہتے کہ ”نیت کہو“ تو تیرا سوال درست تھا کہ یہ کہاں لکھا ہے، ہم تو کہتے ہیں ”نیت کرو“ اور یہ تو صحیح بخاری میں لکھا ہے: انما الاعمال بالنیات۔

نیت کرنے کا ثبوت؟

پھر وہ مجھے کہنے لگا: تم جو کہتے ہو کہ یہ نیت کرو، یہ کہاں لکھا ہے؟ میں نے کہا: یہ بھی اسی روایت میں ہے۔ کہتا ہے جی وہ کیسے؟ میں نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جیسی نیت ہوگی ویسا عمل ہوگا، اب بتاؤ کس عمل کے لیے نیت کے الفاظ کون سے ہوں گے؟ اب اگر ہر عمل کی نیت کے کلمات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود الگ سے بتا دیتے تو صحیح بخاری میں اب روایات کی تعداد 9082 ہے، تو بتائیں صحیح بخاری اس سے کتنے گنا بڑی بن جاتی؟! صرف ایک مسئلہ کے لیے کہ نیت کے لیے کون کون سے الفاظ کہنے چاہئیں صحیح بخاری بہت بڑی بن جاتی۔

مثلاً جب صبح اٹھیں تو نیت کیا کریں، بیت الخلاء میں جائیں تو نیت کیا کریں، وضو کریں تو نیت کیا کریں، ناشتہ کریں تو نیت کیا کریں، قیلوہ کریں تو نیت کیا کریں، دکان پر جائیں تو نیت کیا کریں، گاہک کو سامان دیں تو نیت کیا کریں، پیسے وصول کریں تو نیت کیا کریں؟ میں مثال دے رہا ہوں، میں نے کہا: صرف اس پر کہ کس عمل کے

لیے نیت کیا کرنی ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر الفاظ خود بتاتے تو کتنی بڑی کتاب صرف اس ایک مسئلہ پر بن جاتی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

أَعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ.

کہ خدا نے مجھ پہ کرم یہ کیا ہے کہ مجھے مسائل زیادہ دیے ہیں اور الفاظ تھوڑے دیے ہیں، تھوڑے لفظوں میں خدا نے مسائل زیادہ رکھے ہیں، یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز ہے۔

مسئلہ..... اگر حشرات الارض کھانے میں گر جائیں:

ایک مثال اور سمجھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي إِثَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِسْهُ كُلَّهُ ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ فَإِنَّ فِي أَحَدٍ جَنَاحَيْنِ شِفَاءً وَفِي الْآخَرِ دَاءٌ.

(صحیح البخاری: ج 2 ص 860)

اگر تم کھانا کھا رہے تھے، کھانا کھانے کے دوران تمہارے کھانے کے برتن میں اگر مکھی گر گئی ہے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس مکھی کو اس برتن میں ڈبو دو، پھر اس مکھی کو نکال دو۔ (اب کھانا استعمال کرنا چاہو تو آپ کر سکتے ہو) اب یہاں پر دو مسئلے ہیں۔ ایک مکھی کو کھانے میں ڈبو دینا، دوسرے ڈبونے کے بعد اسے نکال دینا اور پھر اس کھانے کا استعمال کرنا۔ ایک کی وجہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتادی اور دوسرے کی وجہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتائی۔ مکھی اگر کھانے میں گر جائے تو اسے ڈبونے کیوں ہے؟ اس کی وجہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ مکھی کے دو پر ہیں، اس کے ایک پر میں شفاء ہے ایک پر میں وباء ہے، تو جب آپ اس کو ڈبو کر باہر نکالو گے تو جیسے کھانا پہلے تھا ویسے کھانا اب ہے۔ جسے آج کی زبان میں کہہ سکتے ہیں کہ اس کے ڈبونے کی وجہ سے اب بیلنس بالکل

برابر ہو گیا ہے۔ اگر پہلے کھانا ٹھیک تھا، مکھی کے گرنے سے بیماری آگئی تو جب مکھی آپ نے ڈبودی تو شفاء والا پر بھی ساتھ ڈوب گیا ہے اب دیکھو بیماری ختم ہو گئی۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بات تو سمجھادی ہے لیکن اس مکھی کو نکالنے کے بعد وہ کھانا کھانا بھی جائز ہے اس کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتائی، اس کی وجہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بتائی ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں: اگر کھانے میں مکھی گر جائے تو اس کھانے کا استعمال کرنا جائز ہے، اس کھانے سے نہیں روکا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مکھی کی رگوں میں گردش کرنے والا خون نہیں ہے، لہذا ہر ایسا چھوٹا جانور کہ جس کی رگوں میں گردش کرنے والا خون موجود نہ ہو تو جو حکم مکھی کا ہے وہی حکم اس جانور کا بھی ہو گا۔

(المبسوط للسرخسی: ج 1 ص 91)

اب بتاؤ! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک ایک جانور کا مسئلہ بتاتے تو کتنی بڑی کتاب چاہیے! اللہ کے نبی بتاتے چھڑ گر جائے تو کھانا پھر بھی جائز ہے، مکھی گر جائے کھانا پھر بھی جائز ہے، جگنو گر جائے پھر بھی جائز ہے، بھڑ گر جائے تو بھی جائز ہے، چیونٹی گر جائے تب بھی جائز ہے، ہزاروں چھوٹے چھوٹے جانور اس دنیا میں موجود ہیں، بتاؤ ایک ایک چھوٹے چھوٹے جانور کا حکم بتاتے تو کتنی بڑی کتاب بن جاتی؟! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ.

خدا نے مجھ پر کرم یہ کیا ہے کہ مجھے ”جوامع الکلم“ دیے ہیں۔ میں لفظ ایک کہتا ہوں مسئلے ہزار نکل آتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لفظ ایک فرماتے ہیں اور اس کی تہہ میں مسئلے کئی نکل آتے ہیں۔ میں کچھ عقائد اور کچھ مسائل سمجھاتا ہوں تاکہ ہمارے عقائد و نظریات بھی ٹھیک ہوں اور ہمارے مسائل بھی ٹھیک ہوں۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

ہمارا نظریہ اور عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ کوئی بندہ پوچھے: دلیل کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں، قرآن کریم میں ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ.

(سورة البقرة: 154)

اللہ کے راستے میں جو قتل ہو جائے اس کو مردہ نہ کہنا بلکہ اللہ کے راستے میں قتل ہونے والے کو زندہ کہنا۔

اب شہید کو قرآن کریم نے زندہ کہا۔ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ مانا ہے اس لیے کہ شہید کو جو اعزازِ حیات ملا ہے یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ملا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ نہ پڑھتا پھر یہ قتل ہوتا تو یہ اعزاز کبھی نہ ملتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا، قتل ہوا پھر اعزاز ملا۔ اس سے پتہ چلا کہ اگر شہید زندہ ہے تو نبی اس سے بڑھ کے زندہ ہے۔ اب ہم نے زندہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا اور دلیل میں ہم نے شہید کی حیات کو پیش کیا۔

حیاتِ نبی بتاتے تو حیاتِ شہید سمجھ نہ آتی:

اب ایک بندہ یہ بات کہتا ہے کہ دیکھو آپ نے دعویٰ یہ کیا کہ نبی زندہ ہے اور آپ نے دلیل پیش کی کہ شہید زندہ ہے، تو یوں کیوں نہیں ہوا کہ قرآن کریم کہہ دیتا کہ نبی زندہ ہے۔ میں نے کہا: قرآن کریم نے کہا شہید زندہ ہے تو اس سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ نبی زندہ ہے، جب شہید کی حیات بتائی ہے تو نبی کی حیات سمجھ میں آئی ہے، اگر نبی کی حیات بتاتے تو شہید کی حیات سمجھ میں نہ آتی۔ میں نے کہا: نبی کی حیات بتا دیتے تو شہید کی حیات سمجھ میں نہیں آنی تھی۔ مثلاً لوگ کہتے کہ ”یہ دو

بلاک کا لڑکا ہے، ہم نے کبھی اس کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا، اس کے تو چہرے پہ داڑھی بھی نہیں تھی، یہ ناموس رسالت کے لیے کٹ گیا اور شہید ہو گیا تو یہ کیسے زندہ ہے؟ ہم اس لڑکے کو زندہ نہیں مانتے۔ ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اس لیے کہ آپ نبی ہیں، اس لیے زندہ ہیں کہ آپ معصوم ہیں، اس لیے زندہ ہیں کہ آپ کے پاس جبرائیل امین علیہ السلام آتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو سمجھ میں آتی ہے، اس دو بلاک کے لڑکے کو زندہ کون مانے؟“ تو لوگوں نے یہ بات کہنی تھی نا؟! اس لیے اگر نبی کی حیات بتاتے تو شہید کی حیات سمجھ میں نہ آتی، خدا نے شہید کی حیات بتائی ہے نبی کی حیات خود بخود سمجھ میں آئی ہے۔

امام کا اجر بتایا مقتدی کا سمجھ میں آیا:

توجہ رکھنا! آپ لوگ مسجد میں آئے، مولانا عبد الرشید صاحب آپ کے امام ہیں یہ مسجد میں نہیں تھے، کسی کام کے لیے چلے گئے، امام کو بھی تو کام پڑ سکتا ہے نا، مقتدی ہفتہ غائب ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا اور اگر امام ایک مرتبہ بھی غائب تو پوری انتظامیہ بیٹھ جاتی ہے ”مولوی صاحب تسی اج مسیت وچ نیں سو“ [مولانا صاحب! آج آپ مسجد میں نہیں تھے] بھائی امام کا بھی کام ہو سکتا ہے مقتدی کا بھی ہو سکتا ہے، مقتدی 15 دن چھٹی کرے گا تو اعتراض نہیں ہو گا، امام بھول کر بیچارہ ایک نماز میں کام پر چلا جائے تو مسجد میں طوفان برپا ہو جاتا ہے کہ مولانا صاحب مسجد میں نہیں تھے۔ خیر میں عرض کر رہا تھا کہ آپ لوگ مسجد میں آئے، اب جماعت کا وقت آگیا۔ آپ نے کسی لڑکے کو کہا: بیٹا نماز پڑھا دو آپ کے چہرے پر داڑھی ہے سر پر پگڑی ہے آپ بڑے نیک معلوم ہوتے ہیں۔ اس لڑکے نے کہا: نہیں میں نماز نہیں پڑھاتا۔ آپ نے کہا: کیوں نہیں پڑھاتے؟ اس نے کہا: میں نے تو جماعت کی فضیلت سنی ہے کہ اگر آدمی باجماعت نماز پڑھے تو 27 نمازوں کا اجر ملتا ہے۔ میں امام کے پیچھے نماز پڑھوں گا

تو یہ فضیلت ملے گی، اگر امام بن کے پڑھوں گا تو مجھے 27 نمازوں کا اجر تو نہیں ملے گا، میں نے تو فضیلت حاصل کرنی ہے اس لیے میں پیچھے کھڑا ہوں گا امام نہیں بن سکتا۔ ہم نے اس کو مسئلہ سمجھایا کہ دیکھو اگر امام مصلے پر نہ ہو تو مقتدی کو 27 کا اجر کیسے مل سکتا ہے؟! امام نماز پڑھائے گا، مقتدی پیچھے کھڑا ہو گا تبھی تو اس کو 27 کا اجر ملے گا۔ تو دیکھیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کا اجر نہیں بتایا، اگر امام کا اجر بتا دیتے کہ امام کو 27 نمازوں کا ثواب ملے گا تو مقتدی کا اجر سمجھ میں نہ آتا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کا اجر بتایا ہے تاکہ مقتدی کا دل چھوٹا نہ ہو۔ مقتدی کا اجر بتایا ہے تو امام کا اجر خود بخود سمجھ میں آیا ہے۔

اپنے امام مسجد کی قدر کیجیے:

یہ بات ذہن نشین فرمائیں میں درمیان میں عرض کر دوں کہ بسا اوقات لوگوں کو دھوکہ لگ جاتا ہے کہ میں تو تین بجے اٹھ کے تہجد پڑھتا ہوں اور اتنی تسبیحات پڑھتا ہوں اور امام صاحب نے وضو کیا، سنتیں پڑھیں اور آکر مصلے پر کھڑے ہو گئے، تو میں ان سے زیادہ نیک آدمی ہوں، یاد رکھو! یہ تصور اپنے ذہن میں کبھی بھی نہ لانا۔ ایک ہے فرض نماز اور ایک ہے نفل نماز، آپ مسجد کے سارے لوگ رات اٹھ کر تہجد پڑھیں اور آپ کی مسجد کا امام بالکل تہجد نہ پڑھے لیکن صرف فرض کی نماز پڑھائے تو بتائیں فرائض کا اجر زیادہ ہے یا نوافل کا اجر زیادہ ہے؟ (فرائض کا اجر زیادہ ہے۔ سامعین) امام صاحب کی نماز قبول ہوگی تو آپ کی قبول ہونی ہے، امام صاحب تہجد نہ بھی پڑھے لیکن جتنے لوگ فجر کے فرض پڑھیں گے تو ان سب کا ثواب امام صاحب کو ملتا ہے، ظہر کی نماز پڑھیں گے ثواب امام کو ملتا ہے، عصر کی نماز پڑھیں گے ثواب امام کو ملتا ہے، مغرب کی نماز پڑھیں گے ثواب امام کو ملتا ہے، عشاء کے فرض پڑھیں گے امام کو ثواب ملتا ہے۔

اب بتائیں آپ نے تہجد 8 رکعات پڑھی اور امام نے کتنی رکعات کی جماعت کروائی ہے؟ دو فجر کی، چار ظہر کی، چار عصر کی، تین مغرب کی اور چار عشاء کی کل سترہ رکعات بنتی ہیں۔ آپ نے پڑھی ہیں آٹھ اور امام صاحب کو ثواب ملا ہے سترہ رکعات کا اور سترہ بھی اکیلے بندے کی نماز نہیں بلکہ پوری دوبلاک کی مسجد کا، تو امام بغیر تہجد کے دس دس ہزار نماز کا ثواب لیتے ہیں اور آپ نے صرف آٹھ رکعت کا ثواب لیا اب بتائیں امام کا مقابلہ مقتدی کر سکتا ہے؟ (نہیں۔ سامعین)

لیکن ہمیں دھوکہ ہوتا ہے کہ میں تہجد پڑھتا ہوں مولوی صاحب نہیں پڑھتے، میں نوافل پڑھتا ہوں مولوی صاحب نہیں پڑھتے، مولوی صاحب کو پڑھنا چاہیے، میں یہ نہیں کہتا کہ نہ پڑھے لیکن مولوی مولوی ہوتا ہے اور مقتدی مقتدی ہوتا ہے۔ اگر آپ نے یہاں سے کراچی جانا ہو اور گاڑی کے ڈبے میں اے سی لگا ہو اور انجن نان اے سی ہو، آپ بے شک اے سی والے ڈبے میں بیٹھ جائیں لیکن جو مقام اس نان اے سی انجن کا ہے وہ اے سی والے ڈبے کا نہیں ہے، اس نان اے سی والے انجن نے کراچی جانا ہے تو ایئر کنڈیشنڈ ڈبے نے پہنچنا ہے، اگر اس نے نہیں جانا تو اے سی والا ڈبہ بھی نہیں پہنچ سکتا۔

امام کی نماز قبول ہونی ہے تو تہجد والے مقتدی کا فرض قبول ہونا ہے، اگر اس کی قبول نہیں تو پھر تیری تو فرض نماز ہی قبول نہیں۔ لیکن ہمیں پھر بھی گلہ ہوتا ہے۔ میں یہ احساس اس لیے دلارہا ہوں کہ بسا اوقات ہمارے دل میں امام کی قدر و قیمت نہیں ہوتی، اللہ ہمیں امام کی قدر و قیمت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امام کی قدر و قیمت نہ جانیں تو نقصان امام کا نہیں ہوتا نقصان مقتدی کا ہوتا ہے۔ باپ باپ ہوتا ہے اور بیٹا بیٹا ہوتا ہے، اب اگر بیٹا باپ کی قدر نہ کرے تو باپ کا نقصان نہیں ہے یہ بیٹے کا نقصان ہے، مقتدی امام کی عزت کرے تو مقتدی کا فائدہ ہے، نہ کرے تو مقتدی کا نقصان

ہے۔ یہ بات میں اس لیے سمجھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارے ذمے پوری بات سمجھانا ہے اور عوام کے اعمال کی فکر کرنا ہے، یہ بات ہماری ذمہ داری میں شامل ہے۔

اغیار کی محنت:

ایک بات میں صرف سمجھانے کے لیے کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہمارے ہاں تبلیغی جماعت ہے، یہ ہماری جماعت ہے۔ اب اس کے مقابلے میں دعوتِ اسلامی چلی ہے؟ پتا ہے کیوں؟ جو کام اصل ہے اللہ رب العزت نے دیوبند والوں کو دیا ہے، اس کی نقل پھر لوگ کرتے ہیں۔

ختم نبوت کا نفرنس ہم نے سرگودھا میں شروع کی اب لوگ اس کی نقل چلا رہے ہیں، تبلیغ کی ترتیب ہم نے شروع کی یہ بھی اب لوگوں نے دیکھا دیکھی میں شروع کر دی ہے، ہم شروع کرتے ہیں لوگ ہماری نقل کرتے ہیں۔ اب ایک نقل دعوتِ اسلامی کی طرف سے چلی ہے۔ انہوں نے ایک کتابچہ لکھا ہے جو ان کا کارکن ہے وہ روزانہ اس کو پر کرتا ہے اور پھر مہینے کے آخر میں کراچی بکھواتا ہے۔ اس طرح اس کی پوری کارگزاری جارہی ہے۔ مجھے اس پر بڑا تعجب ہوا۔

ہم نے ان کا اتنا لٹریچر جمع کیا ہے کہ شاید ان کے کسی مولوی کے پاس بھی اتنا لٹریچر موجود نہ ہو جتنا ہم نے جمع کیا ہے کیونکہ ہم نے اپنی پوری کتاب لکھنی ہے، ہم نے ان کا لٹریچر یکجا جمع کیا ہے، کچھ انٹرنیٹ سے نکالا، کتابیں نکالیں، پمفلٹ نکالے۔

حتیٰ کہ آپ حیران ہوں گے کہ انہوں نے ایک چھوٹا سا لٹو نما ایک بننا بنایا ہوا ہے پتھر کا وہ بھی ہم نے جمع کر لیا، وہ انہوں نے بنایا ہے اور لکھا ہوتا ہے کہ روزانہ اس کو پانچ منٹ منہ میں رکھ کر خاموش رہیں تاکہ خاموشی کی عادت بنے، ہم نے وہ چشمہ بھی جمع کیا جو سفید رنگ کا ہے اور اوپر سے سیاہ رنگ کی وجہ سے نظر نہیں آتا نیچے ہی نظر آتا ہے، کہتے ہیں کہ روزانہ دس منٹ یہ چشمہ پہن کے بیٹھے رہیں تاکہ بد نظری

سے جان چھوٹے۔

میں نے کہا: چشمہ پہن کر تو یہ بند کمرے میں بیٹھا ہوا ہے لڑکیاں باہر پھرتی ہیں تو بند کمرے میں بد نظری سے جان کیسے چھوٹے گی؟ یا تو آپ اس چشمہ کو پہن کے بازار میں جائیں نا! تاکہ ایک بار کہیں ٹکرائے گی، ٹھکانی ہوگی تو اس کی آنکھ ٹھیک ہوگی نا!!! ایسے کام انہوں نے شروع کر رکھے ہیں کہ بندے کو سن کر بھی تعجب ہوتا ہے۔ خیر میں جو بات بتا رہا ہوں اس میں ایک شق یہ لکھی ہوئی ہے کہ ہر سنی نوجوان روزانہ سنی عالم کو 12 روپے ہدیہ دے۔

یہ اس نے مہینے بعد رپورٹ بھجوانی ہے کہ اس نے اپنے عالم کو 12 روپے ہدیہ دیا ہے کہ نہیں؟ میں غلط ٹھیک کی بات نہیں کرتا صرف یہ بتا رہا ہوں کہ انہوں نے اپنی قوم کو اس بات پر کھڑا کر دیا ہے کہ آپ نے اپنے عالم کی خدمت کرنی ہے اس لیے وہ خدمت کرتے ہیں۔ اور ہم درس شروع ہی یہاں سے کرتے ہیں کہ ہمارے علماء دیوبند کراہی بھی نہیں مانگتے، کھانا بھی نہیں کھاتے، ڈیمانڈ بھی نہیں کرتے اور حق بیان کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ کھانا ہی نہیں کھاتے کہ بھائی یہ حضرات کھاتے ہی نہیں تو انہیں کھلائیں کیوں!!

میں صرف اس وجہ سے کہہ رہا ہوں کہ امام کا مقام کیا ہے؟ مقتدی کا کیا ہے؟ عالم کو یہ ذہن سازی کرنی چاہیے، یہ ذہن سازی نہیں کریں گے تو بسا اوقات تہجد پڑھنے والا کسی وجہ سے امام کا تہجد نہ دیکھ سکا تو بدگمانی کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بن جائے گا، وہ خوش ہو گا کہ میں تہجد پڑھ رہا ہوں اور دل میں امام کی عظمت نہیں ہوگی، امام کی عظمت دل سے چلی گئی تو نبی کے وارث کی عظمت دل سے ختم ہو جائے گی۔ اب بتاؤ اس نے کس طرح جنت میں جانا ہے اہل علم کی توہین کر کے؟!! اللہ ہمیں یہ بات سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین۔ سامعین)

خیر میں نے کہا: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کا اجر بتایا تو امام کا اجر سمجھ میں آیا، اگر امام کا اجر بتا دیتے تو مقتدی کا سمجھ میں نہ آتا۔

قضاء نمازوں کا مسئلہ:

ایک اور مسئلہ سمجھیں۔ اگر کوئی شخص بھول کر نماز چھوڑے دے اور اس کو یاد آئے تو اس کو بعد میں نماز کی قضاء کرنی چاہیے۔ اگر کوئی انسان سو جائے اور نماز رہ جائے تو جب نیند سے اٹھے اور اس نماز کا وقت گزر گیا ہو تو اس شخص کو نماز کی قضاء کرنی چاہیے۔ بندہ جان بوجھ کے نماز چھوڑ دے تو اس کی بھی بعد میں قضاء کرنی چاہیے لیکن آج محترمہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی جو ہمارے سرگودھا کی ہیں اور اب کینیڈا چلی گئی ہیں، اس نے وہاں ڈیرالگالیا ہے اس نے ایک مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر آدمی سو جائے اور نماز رہ جائے جب اٹھے اور اس نماز کا وقت گزر گیا ہو تو اس کی قضاء کرے، اگر بھولے سے نماز رہ جائے بعد میں جب یاد آئے نماز کا وقت گزر گیا ہو تو اس کی قضاء کرے لیکن اگر جان بوجھ کے نماز چھوڑ دے تو اس نماز کی بعد میں قضاء نہیں ہے۔

ہمیں لوگ کہتے ہیں کہ اس کو عورتیں تو بہت سنتی ہیں۔ میں نے کہا: وہ ساٹھ سال کی نمازیں معاف کر دیتی ہے تو لوگ سنیں کیوں نہیں؟ ہمارے پاس کوئی بندہ آئے، سہ روزہ لگا لے، چلہ لگا لے، چار مہینے لگا لے توبہ کر لے اور نمازی بن جائے اور تبلیغی جماعت والوں سے پوچھے کہ میری سابقہ نمازوں کا کیا ہو گا؟ تو جماعت والے کیا کہیں گے کہ ”صرف توبہ کر لیں معاف ہو جائیں گی“ (نہیں۔ سامعین) انہوں نے کہنا ہے: بھائی آپ نے سابقہ نمازیں قضاء کرنی ہیں، اور انہوں نے (ڈاکٹر فرحت ہاشمی نے) کہنا ہے کہ نہیں آپ نے توبہ کی ہے اس لیے معاف ہو گئی ہیں۔ تو اس کا مسئلہ تو اچھا لگتا ہے نابندے کو! اس لیے ان جیسے لوگوں کے مجمعے بڑھتے ہیں لیکن مجمع کی کوئی پروانہ کریں، مسئلے صحیح بتائیں۔

اب اس (ڈاکٹر فرحت ہاشمی) نے دلیل یہ دی ہے، کہتی ہے حدیث مبارک میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من نسی صلاة أو نام عنها فكفارتها أن يصليها إذا ذكرها.

(صحیح مسلم: ج 1 ص 241 باب قضاء الصلاة الفائتة واستحب تعجيل قضاها)

اگر کوئی شخص بھول جائے اور نماز رہ جائے یا سو جائے اور نماز رہ جائے تو جب یاد آئے تو پڑھے، جب جاگے تو پڑھے۔

کہتی ہے اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ”جان بوجھ کر نماز چھوڑے تو بعد میں اس نماز کی قضا کرے“ تو جب اللہ کے نبی نے جان بوجھ کر چھوڑنے پر قضاء کی بات کی ہی نہیں ہے تو میں کیسے کہہ سکتی ہوں کہ نماز جان بوجھ کر چھوڑی ہو تو قضا کرے۔

ہم نے کہا: ہمارے پاس اور دلائل تو موجود ہیں کہ جان بوجھ کر چھوڑے تب بھی قضا ہے ہم اور دلائل کی بات نہیں کرتے۔ صرف ایک دلیل دیتے ہیں۔

فوت شدہ نمازوں کی قضا کی دلیل:

آپ یہ دلیل سماعت فرمائیں تاکہ آپ کے ذہن میں ہو کہ دلائل اور بھی ہیں۔ غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ خندق کھود رہے تھے مشرکین سے دفاع کے لیے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکٹھی چار نمازیں قضا ہو گئیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں ادا فرمائیں ہیں۔

(سیرۃ المصطفیٰ از مولانا کاندھلوی: ج 2 ص 332 وغیرہ)

اب دیکھیں نماز رہ گئی ہے تو آپ علیہ السلام نے قضا فرمائی ہے، نہ حضور سوئے ہیں، نہ حضور بھولے ہیں، دینی مصروفیت کی وجہ سے آپ سے چار نمازیں رہ گئی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں قضا فرمائی ہیں۔ تو ہم نے کہا کہ دلائل اور بھی

موجود ہیں لیکن میں اسی دلیل پر بات کرتا ہوں کہ دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من نسی صلاة أو نام عنها فكفارتها أن يصليها إذا ذكرها.

بندہ بھول جائے اور نماز رہ جائے جب یاد آئے تو قضا کر لے، سو جائے اور نماز رہ جائے جب بیدار ہو تو قضا کر لے۔

عام حالات میں اگر آدمی بھول جائے تو بھول چوک معاف ہوتی ہے، اگر سو جائے اور سونے میں کوئی خطا ہو جائے تو معافی مل جاتی ہے لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھنا چاہتے ہیں کہ نماز اتنی اہم ہے کہ بندہ بھول جائے تب بھی معاف نہیں ہوتی، سو جائے تب بھی معاف نہیں ہوتی، تو جو عبادت بھول جانے سے بھی معاف نہیں ہوتی وہ جان بوجھ کر چھوڑنے سے کیسے معاف ہوگی؟ سو جانے سے بھی معاف نہیں ہوتی تو جان بوجھ کر چھوڑنے سے کیسے معاف ہوگی؟

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ بتا دیتے کہ جان بوجھ کر جو نماز چھوڑ دے وہ قضا کرے تو اس سے سونے کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا تھا، کسی نے کہنا تھا کہ میں نے جان بوجھ کر نہیں چھوڑی میں تو سو گیا تھا میری آنکھ ہی نہیں کھلی اس لیے میرے ذمہ قضا نہیں ہے، کسی نے کہنا تھا کہ میں تو بھول گیا تھا مجھے تو یاد ہی نہیں رہی اس لیے میرے ذمہ قضا نہیں ہے، اس لیے اگر جان بوجھ کر چھوڑنے کا مسئلہ بتاتے تو بھول کر چھوڑنے کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا تھا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول جانے کا مسئلہ بتایا ہے تو جان بوجھ کر چھوڑنے کا مسئلہ سمجھ میں آیا ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ایک فرمایا اور مسئلے دو سمجھ آ گئے۔

ایصالِ ثواب بالقرآن کی دلیل:

ایک اور مسئلہ سمجھیں۔ آج ہمارے ہاں بحث چلتی ہے کہ کوئی بندہ قرآن

پڑھے اور قرآن پڑھ کر اجر میت کو دے یعنی ایصالِ ثواب بالقرآن، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں: بندہ قرآن پڑھے اور اس کا اجر میت کو ایصال کرے تو اللہ یہ ثواب اس میت کو دے دیتے ہیں۔ بندہ خود عمل کرے اور اجر بھی خود لے یہ ”ثواب“ ہے، عمل خود کرے اور اجر کسی اور کو دے اس کا نام ”ایصالِ ثواب“ ہے۔ ایصالِ ثواب بالقرآن کی دلیل کیا ہے؟ ذرا توجہ سے سنیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے موقع پر ایک جانور ذبح کیا اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هَذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّحْ مِنْ اُمَّتِيْ.

(مسند احمد بن حنبل: حدیث نمبر 14893)

اے اللہ! یہ میری طرف سے بھی ہے اور میری امت میں سے جو جو قربانی نہ کر سکے اس کی طرف سے بھی ہے۔ اب بتاؤ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دنبہ ذبح کر کے اجر اپنی امت کو بھی دیا ہے کہ نہیں؟ (دیا ہے۔ سامعین) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت نہیں دیا بلکہ گوشت کا اجر دیا ہے۔ تو اگر گوشت کا اجر پہنچ سکتا ہے تو قرآن کا اجر کیوں نہیں پہنچ سکتا؟!! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے اور اس کا اجر بخش دیتے تو اس سے گوشت کا اجر سمجھ نہیں آتا تھا، لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا ایصالِ ثواب بتایا ہے تو قرآن کا ایصالِ ثواب خود بخود سمجھ میں آیا ہے۔ ایک مسئلہ بتا دیا تو دوسرا خود بخود سمجھ میں آگیا۔

سینگ، بال، کھر کا اجر بتایا تو گوشت کا خود بخود سمجھ میں آیا:

اسی طرح ایک حدیث مبارک آپ نے سنی ہوگی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے متعلق فرمایا:

مَا عَمِلَ اَدْحَى مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ.

(جامع الترمذی: ج 1 ص 275 باب ما جاء في فضل الاضحية)

کہ عید کے دن آدمی جو نیک اعمال کرتا ہے سب سے محبوب ترین عمل اللہ کے راستے میں جانور کا ذبح کرنا ہے۔

اگلا جملہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ سننے والا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُونِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَخْلَافِهَا.

(جامع الترمذی ج 1 ص 275 باب ما جاء في فضل الاضحية)

کہ قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئے گا۔

مطلب یہ کہ جو جانور اس بندے نے اللہ کے نام پر ذبح کیا ہے اللہ اس کے سینگ کا اجر بھی دیں گے، اللہ اس کے بال کا اجر بھی دیں گے، اللہ اس کے کھروں کا اجر بھی دیں گے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

اب بتاؤ! جب قربانی کریں کوئی بندہ بال کھاتا؟ کوئی بندہ کھر کھاتا ہے؟ کوئی بندہ سینگ کھاتا ہے؟ (نہیں۔ سامعین) کھاتے گوشت ہیں لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجر بال کا بتا رہے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کلبی کا اجر بتا دیتے، مغز کا اجر بتا دیتے تو بال کا اجر سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کوئی کہہ سکتا تھا کہ بھائی کلبی تو کھائی ہے، کلبی کسی کو کھلائی ہے اس لیے اجر ملے گا، بال تو کوئی نہیں کھاتا تو بال کا اجر کیسا؟ اس لیے اگر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کا اجر بتاتے تو بال کا اجر سمجھ میں نہیں آتا تھا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بال کا اجر بتایا ہے تو گوشت کا اجر خود بخود سمجھ میں آیا ہے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

کلمات کی جامعیت:

کوئی بندہ کہہ سکتا ہے کہ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا اجر بتا

دیتے، مثلاً اللہ کے نبی بتا دیتے کہ عام آدمی شہید ہو تو وہ بھی زندہ ہے اور اللہ کے نبی بھی زندہ ہیں تو آپ دونوں کی بات فرما دیتے، بالکل اسی طرح مقتدی اگر باجماعت نماز پڑھے تو اسے 27 نمازوں کا اجر اور امام نماز پڑھے تو اسے بھی اجر ملتا ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا اجر بتا دیتے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول جانے کا مسئلہ بتایا، سو جانے کا بتایا تو جان بوجھ کر چھوڑنے کا مسئلہ بھی بتا دیتے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال کا اجر بتایا تو گوشت کا بھی بتا دیتے، کیا وجہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کا ذکر فرمایا ہے دوسری کا نہیں فرمایا؟

اس کا جواب اچھی طرح سمجھیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ.

خدا نے مجھے جوامع الکلم دیے ہیں۔

اگر ہر مسئلہ کے لیے الگ الگ لفظ ملتا تو یہ ”کلمہ“ ہوتا، اس لیے ہر مسئلے کے لیے الگ لفظ نہیں دیا بلکہ لفظ ایک ہے اور مسائل کئی ہیں، اسے ”کلمہ“ نہیں بلکہ ”جوامع الکلم“ کہتے ہیں۔

اندازِ بیاں اور.....:

اس حدیث میں پانچ چیزیں اور بھی ہیں لیکن میں آج کے درس میں ان پانچ چیزوں کو ذکر نہیں کرتا، وہ پانچ مؤخر کرتے ہیں کیونکہ دیر اس میں کافی لگ جائے گی، تاہم میں تھوڑی سی مزید بات عرض کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ نے چھ چیزیں عطا فرمائی ہیں۔

نمبر 1: مجھے اللہ نے جوامع الکلم دیے۔

نمبر 2: رعب دے کر میری مدد فرمائی ہے۔

نمبر 3: اللہ نے میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا ہے۔

نمبر 4: پوری زمین کو میرے لیے ”طہور“ یعنی پاک کرنے والا بنادیا ہے۔

نمبر 5: پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنادیا ہے۔

نمبر 6: مجھے پوری کائنات کا نبی بنادیا ہے۔

آخر میں فرمایا: وَخَتَمَ فِي النَّبِيِّينَ. خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے مجھ پہ نبوت کو ختم فرمادیا ہے۔

عام طور پر جب آپ کتابیں دیکھیں گے تو اس میں آپ کو ترجمہ یوں نہیں ملے گا جیسے میں کر رہا ہوں، عام طور پر ترجمہ یوں ملے گا:

مجھے اللہ نے چھ چیزیں دی ہیں۔

نمبر 1: جوامع الکلم

نمبر 2: رعب دے کر مدد فرمائی۔

نمبر 3: مال غنیمت کو حلال کیا۔

نمبر 4: پوری زمین کو طہور اور مسجد بنادیا۔

نمبر 5: مجھے پوری مخلوق کا نبی بنادیا۔

نمبر 6: مجھے خاتم النبیین بنادیا۔

میں نے کہا: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر غور کریں تو پتہ چلتا

ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) مجھے جوامع الکلم بھی دیے ہیں۔

(۲) میرے لیے مال غنیمت کو حلال بھی کیا ہے۔

(۳) مجھے رعب دے کر مدد بھی فرمائی ہے۔

(۴) پوری زمین کو میرے لیے ”طہور“ بھی بنایا ہے۔

(۵) پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بھی بنایا ہے۔

(۶) مجھے پوری مخلوق کا نبی بھی بنایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مجھے خدا نے آخری نبی بنا دیا ہے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)
اب میں ایک ایک لفظ پہ بات کروں گا کہ میں نے یہ بات کیوں کی ہے؟ میں نے ”خُتِمَ فِي النَّبِيِّينَ“ سے چھ چیزوں کا تعلق جوڑا ہے، ”خُتِمَ فِي النَّبِيِّينَ“ کو چھٹی بات نہیں کہا بلکہ میں نے کہا کہ اس کے ساتھ چھ کا تعلق ہے، میں چھ کے چھ کو اس ”خُتِمَ فِي النَّبِيِّينَ“ کے ساتھ جوڑوں گا تا کہ پوری حدیث سمجھ میں آجائے۔
جامع کلمات ملنے کی وجہ:

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أُعْطِيََتْ جَوَامِعُ الْكَلِمِ۔ اللہ نے مجھے جوامع الکلم دیے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ مجھ پر نبوت ختم کی ہے۔ اب ان کا آپس میں ربط کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کو جتنے مسائل چاہئیں تھے اتنے ہی اللہ نے کلمات دے دیے، جتنے مسائل چاہئیں اتنے الفاظ دیے، کیوں کہ پہلے نبی ایک بستی کا نبی ہے، امت نے مسئلہ پوچھا تو نبی نے بتادیا، دوسرے نے مسئلہ پوچھا بتادیا، تیسرے نے مسئلہ پوچھا نبی نے بتادیا، وہ نبی دنیا سے چلے گئے، ان کے بعد کوئی اور نبی آگیا، پھر مسئلہ پوچھا نبی نے پھر بتادیا تو پہلی امت کے انبیاء کو ایسے الفاظ نہیں چاہئیں تھے کہ جہاں لفظ ایک ہو اور معنی کئی ہوں، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو الفاظ ایسے چاہئیں تھے کہ جن کے معنی کئی ہوں کیوں کہ ہمارے نبی کے بعد تو کسی اور نبی نے پیدا نہیں ہونا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اللہ نے قیامت تک کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو الفاظ ایسے دیے ہیں کہ ان میں غور کرتے جائیں اور مسائل نکالتے چلے جائیں، نہ کسی نبی کی ضرورت نہ مسئلے کے لیے مزید الفاظ کی ضرورت، یہ ہمارے نبی کا اعزاز ہے، الفاظ موجود ہیں بس آپ مسئلہ نکالتے جائیں۔

احادیث سے مسائل کون نکالے گا؟

اب ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ امت کو دیے ہیں ان میں سے یہ مسائل نکالے گا کون؟ ہر بندے کے بس میں نہیں ہے کہ احادیث کی تہہ سے مسائل نکالے۔ دیکھیں خدا نے زمین کی تہہ میں اتنا پانی رکھا ہے کہ قیامت تک آنے والے لوگ پانی نکالتے رہیں گے لیکن پانی ختم نہیں ہوگا، مزید کسی زمین کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسی زمین کہ تہہ میں پانی موجود ہے۔ جتنا پٹرول قیامت تک چاہیے تھا اللہ نے اسی زمین کی تہہ میں رکھ دیا ہے، مزید کوئی زمین نہیں چاہیے، قیامت تک کے آنے والے انسان کو جتنی گیس چاہیے تھی خدا نے اسی زمین کی تہہ میں رکھ دی ہے، اس زمین نے قیامت تک رہنا ہے جتنا پانی چاہیے اس کی تہہ میں موجود ہے، اس زمین نے قیامت تک رہنا ہے جتنا پٹرول چاہیے اس کی تہہ میں موجود ہے، اس زمین نے قیامت تک رہنا ہے جتنی گیس چاہیے اس کی تہہ میں موجود ہے، نئی زمین نہیں آتی ہے بلکہ اسی زمین میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں۔

بجائے اسی طرح کسی نئے نبی نے نہیں آنا بلکہ قیامت تک جتنے مسائل چاہیں اس نبی کے الفاظ کی تہہ میں موجود ہیں بس نکالنے والا ہونا چاہیے جو الفاظ نبوت سے مسائل نکالے، تو مسائل نکالنے کا نام ”فقہ“ ہے اور مسائل نکالنے والے کا نام ”مجتہد“ ہے، ہر بندے کا کام نہیں ہے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

فقہ کا کام:

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ یہ زمین موجود ہے، آپ نے مسجد 2 بلاک بنائی ہے، اگر پانی چاہیے تو کوئی نمازی یہ نہیں کہتا کہ مولانا صاحب! مسجد ہم نے بنائی ہے پانی بھی ہم نکالیں گے، نا! نا! بھائی پانی نکالنے کے لیے فلاں سے رابطہ کرو، دیکھیے ہم نے مسجد بنائی ہے، بجلی کے لیے فلاں سے رابطہ کرو، ہم نے مسجد بنا دی ہے، اے سی

کے لیے فلاں سے رابطہ کرو۔

مطلب یہ کہ ہر بندہ جو مسجد بناتا ہے وہ پانی نکال نہیں سکتا کسی اور سے رابطہ کرے گا، اللہ نے اس مسجد کی تہہ میں رکھ دیا ہے لیکن نکالنے کے لیے ماہرین عطا کر دیے ہیں، اسی طرح اللہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تہہ میں مسئلہ رکھ دیے ہیں اور نکالنے کے لیے امت کو ”مجتہد“ اور ”فقہاء“ عطا کر دیے ہیں، فقیہ سے رابطہ کریں گے تو مسئلہ نکلیں گے، فقیہ کو گالیاں دیں گے تو مسئلہ نہیں نکلیں گے۔

ماہر فن پر بھروسہ ضروری ہے:

آپ نے یہاں سے لاہور جانا ہے، آپ پٹرول پمپ پہ گاڑی کھڑی کریں کہ اس میں 5000 روپے کا پٹرول ڈال دو، وہ پٹرول ڈالنے لگے تو آپ اس سے کہتے ہیں: بیٹا ایک منٹ ٹھہرو، پہلے یہ بتاؤ کہ یہ پٹرول پمپ جو تم نے بنایا ہے یہ انسان ہے؟ پٹرول پمپ کا ملازم کہتا ہے: جی نہیں، اس میں دماغ بھی ہے؟ کہتا ہے: جی نہیں، تو یہ تم نے کیسے پانچ ہزار لکھ دیا کہ یہ پٹرول دے گا کیا اس کو پتہ ہے کہ پانچ ہزار کیا ہوتا ہے؟! اس نے کہنا ہے: چچا جی آپ کی سمجھ میں بات نہیں آئی، آپ پانچ ہزار روپیہ دیں اور پٹرول ڈلوائیں، نہیں بیٹا تو پہلے مجھے سمجھائے گا تب میں پٹرول ڈلوائوں گا۔ اس نے کہنا ہے: جی گاڑی سائنڈ پر کریں اور دوسری گاڑیوں کو پٹرول ڈالنے دیں، یہ جو آپ کہہ رہے ہیں یہ سمجھنے سمجھانے کا کام ہوتا ہے اور یہاں پٹرول پمپ پہ سمجھنے سمجھانے کا کام نہیں ہوتا یہاں تو پٹرول لینے دینے کا کام ہوتا ہے۔ تو پٹرول پمپ والے آپ کو تحقیق نہیں کرواتے بلکہ آپ کو پٹرول دے دیتے ہیں۔ آپ ڈاکٹر کی دکان پہ جائیں کہ ڈاکٹر صاحب! مجھے بخار ہے، ڈاکٹر صاحب نے آپ کو چیک کیا اور کہا کہ آپ کو انجکشن لگاتے ہیں۔ آپ نے کہا کیوں انجکشن لگاتے ہیں؟ اس نے کہا: 105 ڈگری کا بخار ہے۔ آپ نے کہا: ڈاکٹر صاحب آپ کو کیسے پتہ چلا کہ 105 کا بخار ہے؟ ڈاکٹر نے کہا: بیٹا میں

آپ کو سمجھا نہیں سکتا، اگر آپ کو یہ تحقیق کرنی ہے تو پھر ہماری کلاسوں میں آؤ ہم تمہیں سمجھا دیں گے، اس کلینک پہ دوائی دیتے ہیں اس پر سمجھاتے نہیں ہیں۔ اس پر ہر بندہ کہے گا: شریف آدمی! ڈاکٹر صاحب کا وقت ضائع نہ کرو، دوائی لو اور اپنا کام کرو، اگر تجھے تحقیق کرنی ہے تو کلاس میں داخلہ لے۔

علماء پر اعتماد کیجیے:

میں بڑے درد سے کہتا ہوں کہ لوگ عالم پر اعتماد نہیں کرتے، پٹرول پمپ والے پر اعتماد کرتے ہیں، ڈاکٹر پر اعتماد کرتے ہیں لیکن عالم کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ ہم نے تحقیق کرنی ہے، میں نے کہا: تحقیق کرنی ہے تو مرکز اہل السنۃ والجماعۃ میں آجاؤ۔ کہتے ہیں: جی نہیں، میرے پاس وقت نہیں ہے اس لیے مسئلہ ابھی سمجھائیں۔ میں نے کہا: پٹرول پمپ والا تجھے فوراً نہیں بتاتا اس پر کوئی اعتراض نہیں، کلینک والا تجھے فوراً نہیں بتاتا اس پر اعتراض نہیں لیکن اس مولانا صاحب کے پیچھے لگے ہیں کہ ابھی بتاؤ۔

خیر میں بتا رہا تھا کہ جس طرح خدا نے زمین کی تہہ میں پانی رکھا ہے اور نکالنے والے انجینئر امت کو دیے ہیں اسی طرح پیغمبر کی احادیث کی تہہ میں مسائل رکھے ہیں اور نکالنے والے مجتہد بھی امت کو دیے ہیں۔ جس مجتہد کی ہم تقلید کرتے ہیں اس مجتہد کا نام ہے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ہے انہوں نے تحقیق کر کے احادیث سے مسئلہ نکال لیے ہیں، ان مسائل کا نام ہے ”فقہ حنفی“ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ فقہ حنفی قرآن وحدیث سے الگ نہیں ہے۔

فقہ حنفی نبی کے دور میں تھی:

میں ایک بات سنا کر بات سمیٹ رہا ہوں۔ اب اگر کوئی بندہ آپ سے کہے کہ آپ نے فقہ حنفی کو لیا ہے اور قرآن کو چھوڑا ہے، فقہ حنفی کو لیا ہے اور حدیث کو چھوڑا

ہے۔ آپ اس کے جواب میں کہیں: نہیں ہم نے نہ قرآن چھوڑا نہ حدیث چھوڑی، ہم نے فقہ حنفی کو لیا اور یہ قرآن و حدیث سے نکلی ہے۔ وہ پوچھے گا: یہ بتاؤ فقہ حنفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی؟ ممکن ہے آپ اس کا جواب یہ دیں کہ نہیں فقہ حنفی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تو نہیں تھی، اس پر وہ کہے گا: جب نہیں تھی تو آپ نے بعد میں کیوں لی ہے؟!

میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ نے گھبرانا نہیں ہے، اگر کوئی بندہ آپ سے پوچھے: فقہ حنفی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی؟ آپ نے سینہ تان کے کہنا ہے: جی ہاں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی۔ اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ فقہ حنفی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی تھی؟ آپ کہیں: جی ہاں فقہ حنفی حضور کے دور میں تھی، وہ کہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھے؟ آپ نے کہنا ہے: نہیں تھے، تو اس نے فوراً کہنا ہے کہ جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نہیں تھے تو فقہ حنفی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کیسے تھی؟

آپ فوراً پوچھیں: یہ جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری لکھی ہے اور اس میں حدیثیں جمع کی ہیں کیا یہ احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھیں؟ وہ کہے گا: جی تھیں، آپ پوچھیں: امام بخاری بھی تھے؟ وہ کہے گا: جی نہیں۔

تو آپ فوراً کہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں امام بخاری نہیں تھے تو حدیثیں نبی کے دور میں کیسے تھیں؟ اس نے فوراً کہنا ہے: حدیثیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھیں لیکن لکھی امام بخاری نے ہیں۔ آپ نے کہنا ہے: فقہ حنفی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی لیکن نکالی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہے۔

مسائل احادیث کی تہہ میں:

یہ آپ کی موتی مسجد 2 بلاک کی ہے، اس کو بنے ہوئے کتنے سال ہو گئے ہیں؟ (75 سال۔ سامعین) اب بتاؤ اس مسجد کو بنے 75 سال ہو گئے، اس میں وضوء خانہ موجود ہے جہاں سے آپ وضو کرتے ہیں، مجھے بتاؤ جب یہ مسجد نہیں تھی تو اس جگہ کی تہہ میں پانی تھا یا نہیں؟ (تھا۔ سامعین) نکلا کب ہے؟ (جب مسجد بنی ہے۔ سامعین) تو مسجد کی تہہ میں پانی تھا، نکلا اس وقت ہے جب مسجد بنی ہے، اسی طرح احادیث کی تہہ میں مسئلے پہلے بھی تھے نکلے تب ہیں جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آئے ہیں۔ اس لیے کہ امام صاحب نے مسائل نکالے ہیں، بنائے نہیں ہیں۔

خلاصہ درس:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے مجھے چھ انعامات دیے ہیں جو پہلے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیے، ان میں پہلی نعمت ”أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ“ مجھے جوامع الکلم دیے ہیں، جوامع الکلم کا معنی کہ کلمہ ایک ہے اور معانی کئی ہیں، کلمہ ایک ہے اور مسئلے سو ہیں، کلمہ ایک اور مسئلے ہزار ہیں۔ پہلے نبیوں کو جوامع الکلم کیوں نہیں دیے؟ اس لیے کہ جتنے مسئلے چاہیے تھے اتنے لفظ دے دیے تھے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے لیے جتنے مسائل چاہیے تھے اتنے الفاظ دے دیے جاتے تو کوئی بندہ حدیث کو سنبھال ہی نہ سکتا، خدا نے کرم یہ کیا کہ الفاظ تھوڑے دیے اور مسائل قیامت تک کے لیے احادیث کی تہہ میں رکھ دیے اور ان کو نکالنے کے لیے خدا نے فقہاء بھی دے دیے۔

ہم ختم نبوت بھی مانتے ہیں، حدیث بھی مانتے ہیں، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کو بھی مانتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں یہ سب ماننے کی توفیق عطاء فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔

عنوان: خصوصیاتِ پیغمبر ﷺ
(حصہ دوم)

تاریخ: 7- اپریل 2014ء

مقام: جامع مسجد موتی 2 بلاک سرگودھا

خصوصیاتِ پیغمبر ﷺ (2)

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ
وَمَنْ يُّضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ
سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ أَمَّا بَعْدُ! فَاعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ
الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

(سورة الحشر: 7)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَضِّلْتُ عَلَى
الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُجِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ
وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِي
النَّبِيُّونَ.

(صحیح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاة حدیث نمبر 522)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى
آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.

حدیث کا خلاصہ:

گزشتہ درس حدیث میں میں نے یہی حدیث مبارک تلاوت کی تھی جو
حدیث مبارک ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ میں نے اس حدیث کے متعلق
عرض کیا تھا کہ عام طور پر علماء کرام اس حدیث کی تشریح یوں فرماتے ہیں کہ حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ.

اللہ تعالیٰ نے چھ چیزیں عطا کر کے مجھے بقیہ انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی ہے یعنی چھ چیزیں مخصوص مجھے وہ دی ہیں جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو نہیں دیں۔ وہ چھ چیزیں عام طور پر یوں بیان کی جاتی ہیں:

✽ ”أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ“ مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں۔

✽ ”وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ“ رعب عطا کر کے میری مدد فرمائی گئی ہے۔

✽ ”وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ“ میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کیا گیا ہے۔

✽ ”وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا“ پوری زمین کو میرے لیے طہور یعنی پاک کرنے والی اور مسجد گاہ بنادیا گیا ہے۔

✽ ”وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً“ مجھے ساری مخلوق کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

✽ ”وُخِّمَتْ بِيَ النَّبِيُّونَ“ مجھ پہ سلسلہ نبوت ختم کیا گیا ہے۔

ختم نبوت پر دلائل:

میں نے عرض کیا تھا کہ میں نے اس سے ہٹ کے ایک اور طرز سے گفتگو کی ہے ذرا اس کا خلاصہ ذہن میں رکھ لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث مبارک میں ایک دعویٰ کیا ہے ”خُتِمَتْ بِيَ النَّبِيُّونَ“ کا کہ اللہ رب العزت نے مجھ پہ نبوت کا سلسلہ ختم فرمادیا، میں آخری نبی ہوں، میرے بعد اب کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا اس کے لئے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ دلائل پیش فرمائے ہیں، اس کا تذکرہ یوں فرمایا کہ اللہ نے مجھے چھ اعزازات وہ دیے جو دیگر انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیے:

1: اللہ نے مجھے جوامع الکلم دیے۔

2: رعب عطا فرما کر میری مدد کی ہے۔

3: مالِ غنیمت کو میرے لیے حلال کیا ہے۔

4: پوری زمین کو میرے لیے ”ظُھور“ بنا دیا ہے۔

5: پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنا دیا ہے۔

6 مجھے پوری مخلوق کا نبی بنا دیا ہے۔

یہ چھ چیزیں یہاں پہ ختم ہو گئیں۔ آگے ”وُخْتِمَ فِي النَّبِيِّونَ“ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے اللہ نے آخری نبی بنا دیا ہے۔ اب یہاں ”وُخْتِمَ فِي النَّبِيِّونَ“ چھٹا اعزاز نہیں بلکہ ”وُخْتِمَ فِي النَّبِيِّونَ“ مستقل اعزاز ہے، اس کے لیے چھ وجوہ اور دلائل اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائے ہیں۔

پہلی خصوصیت؛ جامع کلمات:

گزشتہ درس میں؛ میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے نبی کا اعزاز یہ ہے کہ اللہ نے ہمارے نبی کو ”جوامع الکلم“ دیے ہیں، پہلے انبیاء علیہم السلام کو ”کَلِمَہ“ دیے ہیں۔ ”کَلِمَہ“ اور ”جوامع الکلم“ میں فرق یہ ہے کہ ”کلمہ“ اسے کہتے ہیں کہ لفظ ایک ہو اور معنی بھی ایک ہو اور ”کلمہ جامعہ“ اس کو کہتے ہیں کہ لفظ ایک ہو اور معانی زیادہ ہوں۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے کلمات دیے، ہمارے نبی کو کلمات جامعات دیے۔ اس لیے کہ پہلے نبی ایک بستی یا ایک قوم کے نبی تھے، انہیں تھوڑے سے مسئلے چاہیے تھے، ان تھوڑے سے مسائل کے لیے اللہ نے تھوڑے سے کلمات دے دیے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے نبی ہیں، سارے زمانوں کے نبی ہیں، ساری قوموں کے نبی ہیں، ہمارے نبی کو کروڑوں مسئلے چاہئیں جو عرب و عجم، شرق و غرب اور قیامت تک کے آنے والے تمام افراد کو کافی ہو جائیں۔ اب اگر اللہ کروڑوں مسائل کے لیے ہمارے نبی کو کروڑوں الفاظ دے دیتے تو کون سا پرہیزگار ان کو چھاپ دیتا؟ کون سا سینہ ان کو محفوظ کر لیتا؟ کون سی لائبریری انہیں سنبھال لیتی؟ اللہ

نے کرم یہ کیا کہ ہمارے نبی کو کلمات جامعات دیے اور ان کی تہہ میں مسئلے کروڑوں رکھ دیے۔ اب قیامت تک مسئلہ پیش آتا جائے تو حدیث کی تہہ سے نکلتا جائے گا اور مجتہد اور فقیہ نکال کر امت کو دیتے جائیں گے۔ تو پہلے انبیاء علیہم السلام کی ضرورت نہیں تھی، خدا نے نہیں دیا، ہمارے نبی کی ضرورت ہے تو اللہ نے دے دیا۔

مسائل کا حل احادیث کی تہہ میں:

قیامت تک آنے والے انسانوں کو جس قدر پٹرول چاہیے وہ اللہ نے سارا پیدا فرما دیا ہے لیکن اس پٹرول کو زمین سے نکال کر اللہ رب العزت سطح ارض پہ رکھ دیں تو پوری دنیا میں آگ لگ جائے گی اور اس پٹرول کی ضرورت تو پوری کیا ہوگی وہ تو استعمال کے قابل بھی نہیں رہے گا۔ اسی طرح جتنا پانی قیامت تک آنے والے انسانوں کو چاہیے اگر اللہ وہ پانی زمین سے نکال کے زمین کی سطح پہ رکھ دیں تو سیلاب آ جائے گا، اس سے امت ڈوب کر ختم ہو جائے گی تو پانی استعمال کرے گا کون؟ اللہ نے کرم یہ کیا کہ قیامت تک آنے والے انسان کے لئے پٹرول پیدا کر دیا اور اس کو زمین کی تہہ میں رکھ دیا، جتنی ضرورت ہوتی رہتی ہے انجینئر اس کے مطابق پٹرول نکال کر دیتے رہتے ہیں، اسی طرح جتنا پانی چاہیے تھا خدا نے زمین کی تہہ میں رکھ دیا لیکن جتنی ضرورت پیش آئے تو اتنا پانی انجینئر نکال کے دے دیتا ہے۔

بالکل اسی طرح احادیث کی تہہ میں اللہ نے مسائل رکھ دیے ہیں، جتنے مسائل کی ضرورت پڑتی رہتی ہے فقیہ ان مسائل کو نکال کے دیتا رہتا ہے، اگر زمین کی تہہ میں چھپا سارا پٹرول زمین پہ آجاتا تو امت سنبھال نہ سکتی، جتنے مسائل چاہیں اللہ سارے مسئلے دے دیتا تو امت سنبھال نہ سکتی، ادھر کرم یہ کیا کہ پٹرول زمین کی تہہ میں رکھ دیا نکالنے کے لیے انجینئر دے دیا، ادھر کرم یہ کیا کہ حدیث کی تہہ میں مسئلے رکھ دیے اور نکالنے کے لیے فقیہ اور مجتہد عطا فرما دیا۔

راہ دکھلائیں کسے؟ رہرو منزل ہی نہیں:

یہ بات میں نے ”جوامع الکلم“ پہ کی تھی اگر آپ کو یاد ہو تو۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک لفظ کو سمجھنے کے لیے بھی وقت چاہیے اور سمجھانے کے لیے بھی وقت چاہیے۔ عالم سمجھانے کے لیے وقت نکال لیتا ہے لیکن لوگ سمجھنے کے لیے وقت نہیں نکالتے اور گلہ پھر یہی رہتا ہے کہ علماء امت کی رہنمائی نہیں کرتے۔

شکوہ کرنا چھوڑ دیں!

اس پر مجھے ایک چھوٹا سا علمی لطیفہ یاد آیا، میں منڈی بہاؤ الدین میں بیان کے لیے گیا اور جس آدمی کے پاس میرا کھانا تھا اس کے دو ہوٹل تھے، دو ہوٹلوں کا مالک تھا، کھانا اس کے گھر میں تھا۔ مجھے علماء سے شکوہ کرتے ہوئے وہ شخص بات کہنے لگا: مولانا! ہم علماء کو پیسہ بھی بہت دیتے ہیں لیکن علماء کام نہیں کرتے۔ میں نے کہا: آپ مجھے بتائیں کیا میں کام کرتا ہوں؟ کہنے لگا: جی ہاں آپ تو کرتے ہیں۔ میں نے کہا: پیسہ مجھے دے دیں۔ اس پر وہ چپ ہو گیا۔ میں نے کہا: شکوہ عجیب ہے!! جو کام کرتا نہیں اسے آپ دیتے ہیں اور جو کرتا ہے اسے آپ دیتے نہیں۔ تو میں نے کہا: اگر کام کرنے والے اکٹھے ہو جائیں تو کام کی نوعیت بدل جائیگی۔

ہمارے لوگوں کا عجیب مزاج ہے، جو رہنمائی نہ کرے اس سے شکوہ کرتے ہیں اور جو رہنمائی کرے اس کی رہنمائی لیتے نہیں ہیں، اگر مسجد کا امام نماز پڑھانے کے لیے نہ آئے تو شکوہ کرتے ہیں، نماز پڑھانے والا بیٹھا ہو تو اس کے پیچھے پڑھتے نہیں ہیں، اب بتائیں اس قوم کا علاج انسان کیا کیا جاسکتا ہے؟!

دوسری خصوصیت: رعب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **وَنَصَرْتُ بِالرُّعْبِ**۔

اللہ نے رعب عطا کر کے میری مدد فرمائی ہے۔

رعب عطا کر کے مدد کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے اس حدیث کے ساتھ ایک دوسری حدیث مبارک کو ملائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نُصَوِّرُكَ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ •

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 335)

اگر میری امت کا کوئی فرد مجھ سے اتنا دور ہو کہ میرے پاس آنے میں اس کو ایک مہینہ لگ جائے، میں یہاں پہنچتا ہوں میرا رعب اس وقت اس پر وہاں چلا جاتا ہے۔ ایک دو روز کی مسافت کی بات نہیں ہے بلکہ فرمایا ”مَسِيرَةَ شَهْرٍ“ کہ اگر امت کا کوئی فرد مجھ سے اتنا دور ہو کہ مجھ تک آنے میں اس کو ایک ماہ لگے تو اتنی دور تک کا خدا نے مجھے رعب دے کر میری مدد فرمائی ہے۔

حصولِ غلبہ کے ذرائع:

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان رعب کے ذریعے غلبہ حاصل کرتا ہے۔ اگر طاقت ہو تو غلبہ حاصل ہوتا ہے، اگر طاقت نہ ہو تو غلبہ نہیں ہوتا۔ اللہ نے اپنے نبی کو ادیانِ باطلہ پہ غلبہ دیا ہے لیکن نبی کو خدا نے غلبہ دو قسم کی طاقت سے دیا ہے۔ ہمارے ہاں طاقت کی بنیاد صرف ہتھیار ہیں، طاقت کی بنیاد صرف مادیت ہے۔ ہمارے پیغمبر کے ہاں طاقت کی بنیاد مادیت بھی ہے لیکن طاقت کی بنیاد صرف مادیت نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مادیت کو بھی حاصل کیا ہے اور ساتھ ایمان کی طاقت کو بھی لیا ہے۔

جنگِ بدر میں دیکھیں، ادھر تین سو تیرہ، ادھر ایک ہزار، یہ نہیں کہ تین سو تیرہ والوں کے پاس تلواریں نہیں تھیں، تلواریں تھیں مگر کم تھیں، یہ نہیں کہ گھوڑے نہیں تھے، تھے مگر کم تھے، یہ نہیں کہ اونٹ ان کے پاس نہیں تھے اونٹ تھے مگر کم تھے، یہ نہیں کہ ان کے پاس افراد نہیں تھے، افراد تھے مگر کم تھے۔ اس

سے پتا چلا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے افرادی اور اسلحے کی طاقت کا انکار نہیں کیا، ہاں صرف اسی پر انحصار ہو ایسا نہیں کیا، طاقت کا انکار اور ہے اور طاقت پر انحصار اور ہے۔ اس لیے جتنی طاقت بس میں ہے اتنی لے کر میدان میں نکل جاؤ، باقی معاملہ اللہ پہ چھوڑ دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سوتیرہ کو لیا، تھوڑی سی تلواریں، تھوڑے سے گھوڑے، چند ایک اونٹ لے کے اللہ کے نبی میدانِ بدر میں اتر گئے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور اللہ سے دعا مانگتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اِنْ تُهْلِكَ هَذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَلَا تُعْبَدُ فِي الْاَرْضِ اَبَدًا.

(مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث 30199)

یا اللہ! یہ میری جمع پونجی تھی، میں اسے لے کر آگیا ہوں، اگر آج یہ ہلاک ہو گئے تو قیامت تک اسباب کے درجہ میں تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہو گا۔ مطلب یہ کہ میرے نمائندے یہ ہیں، انہوں نے تیرے دین کو لے کر آگے جانا ہے، اگر یہ سارے یہیں کٹ گئے تو تیرے دین کو لے کر آگے کون جائے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو مادی طاقت تھی وہ پیش کر دی ہے، اس کا انکار بھی نہیں کیا اور صرف اسی پر انحصار ہو ایسا بھی نہیں کیا۔

ایمانی و مادی طاقت میں راہِ اعتدال:

ہمارے ہاں دو قسم کے طبقے ہیں۔ ہمیں دونوں کے ساتھ دماغی طاقت سے

لڑنا پڑتا ہے:

طبقہ نمبر 1: ایک طبقہ وہ ہے جو مادی طاقت کا اقرار نہیں کرتا، وہ کہتا ہے صرف ایمان سے ہوتا ہے۔

طبقہ نمبر 2: دوسرا طبقہ جو مادی طاقت کا اقرار کرتا ہے لیکن مادی طاقت پہ انحصار بھی کرتا ہے۔

مادی طاقت کا انکار بھی نہ کریں اور مادی طاقت پر انحصار بھی نہ کریں۔
تجرب کی بات یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی کی بیوی ہے، اس کے بچے بھی ہیں اور مانتا بھی ہے کہ رازق اللہ ہے لیکن دکان پہ وقت بھی دیتا ہے، عجیب بات یہ ہے کہ یہی مسلمان آدمی مانتا ہے کہ دین کو غالب اللہ نے کرنا ہے لیکن خود نہیں نکلتا، کہتا ہے کہ میں ٹھیک ہو جاؤں گا تو میرا اللہ دین اسلام کو غالب کر دے گا۔ میں نے کہا: جب تو ٹھیک ہو گا تو اللہ تجھے کافر پہ غالب کرے گا تو جب تو ٹھیک ہو گا تو کیا اللہ تجھے رزق نہیں دے گا؟ رزق بھی تو خدا نے دینا ہے۔ کہتا ہے: نہیں رزق کے لیے تو حیلہ وسیلہ ہے نا! میں نے کہا: غلبے کے لیے حیلہ وسیلہ کیوں نہیں ہے؟ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ جس طرح رزق اللہ دیتا ہے لیکن محنت میں نے اور آپ نے کرنی ہے، بھوک اللہ نے مٹائی ہے کھانا ہم نے کھانا ہے، پیاس اللہ دور کرتا ہے پانی ہم نے پینا ہے، صحت اللہ دیتا ہے دوائی ہم نے کھانی ہے، اولاد اللہ دیتا ہے نکاح ہم نے کرنا ہے، فتح اللہ دیتا ہے میدان میں ہم نے نکلتا ہے۔ تو مادیت پہ انحصار بھی نہ کریں اور مادیت کا انکار بھی نہ کریں۔ جو بالکل مادیت پہ انحصار کر لے یہ ہمارا نہیں اور مادیت کا انکار کر دے یہ بھی ہمارا نہیں ہے۔ اسلام میں رہبانیت بھی نہیں ہے کہ مادیت کا انکار کر دیں اور اسلام میں مادیت یہ بھی نہیں ہے کہ صرف مادیت پر انحصار کر کے بیٹھ جائیں۔

رعب سے امداد کی وجہ:

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَ كَاشَهِرٍ۔
میرے پاس آنے والا اگر ایک ماہ کی مسافت پر ہو تو اس پر بھی اللہ میرا رعب طاری فرمادیتے ہیں۔

یہ اعزاز اللہ نے ہمارے نبی کو کیوں دیا ہے، پہلے انبیاء کو کیوں نہیں دیا؟ وجہ یہ ہے کہ پہلے نبی کا دائرہ نبوت چھوٹا ہے، پہلے نبی کا دائرہ ایک قوم ہے، پہلے نبی کا دائرہ ایک بستی ہے، پہلے نبی کا دائرہ ایک شہر ہے۔ تو جب ایک شہر ہے تو نبی وہاں تک خود جائے گا، نبی کی بستی ہے تو بستی میں ہر شخص کے پاس نبی خود جائے گا۔ ہمارے نبی کا دائرہ ایک بستی نہیں ہے، ہمارے نبی کا دائرہ ایک شہر نہیں ہے، ہمارے نبی کا دائرہ ایک قوم نہیں ہے، ہمارے نبی کا دائرہ دنیا میں ساری قومیں، ہمارے نبی کا دائرہ دنیا کے سارے شہر، ہمارے نبی کا دائرہ قیامت تک آنے والے سارے زمانے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کے پاس خود نہیں جانا، دائرہ نبوت بڑا ہے لیکن نبی کا مقام مخصوص ہے۔

اللہ نے کرم یہ کیا کہ پہلے نبی کا جتنا دائرہ تھا وہاں تک نبی خود گئے ہیں، ہمارے نبی کا جتنا دائرہ تھا وہاں تک خود تو نہیں گئے تو پھر نبی کی مدد کیسے ہوئی؟ وہ اس طرح کہ پہلے نبی لشکر کو لے کر نکلتے تو رعب پڑ جاتا، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی لشکر لے کر یوں نکلے ہیں جیسے بدر ہے، کبھی لشکر لے کر نکلے جیسے احد ہے، کبھی لشکر لے کر نکلے جیسے خندق ہے، کبھی لشکر لے کر نکلے جیسے خیبر ہے، کبھی لشکر لے کر نکلے جیسے تبوک ہے اور جہاں تک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جاسکے وہاں تک خدا نے ایمانیات کا رعب عطا کر کے وہاں کی قوم کو بھی پیغمبر کے لیے مسخر فرما دیا ہے۔ یہ ہمارے نبی کا اعزاز ہے۔ کیوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کسی نبی نے پیدا نہیں ہونا۔ تو اللہ نے نبی کا رعب اتنی دور پہنچا دیا کہ حضور وہاں تک نہیں بھی گئے تو قوم کے دل میں نبی کا رعب پھر بھی موجود ہے۔

پیغمبر کے رعب کی نوعیت:

لیکن یہ بات ضرور یاد رکھ لیں کہ رعب دو قسم کا ہے:

ایک رعب یہ کہ مثلاً ابھی اچانک ہمارے سامنے شیر آئے تو ڈر جاتے ہیں، سانپ آ جائے تب بھی پریشان ہوتے ہیں، اچانک ہمارے سامنے پولیس انسپکٹر دس سپاہی لے کر آ جائے تب بھی رعب پڑ جاتا ہے لیکن اگر ہمارے سامنے اللہ کا نیک ولی یا ہمارا استاد آ جائے تو رعب تب بھی پڑ جاتا ہے۔ نبی کا رعب ایسے نہیں ہے جو ایس ایچ او کا رعب ہے، نبی کے رعب کو یوں سمجھیں جیسے شیخ، مرشد اور استاذ اور امام کا رعب اپنے مرید، شاگرد اور مقتدی پہ ہے، نبی کا رعب خوف والا نہیں ہے، نبی کا رعب اعتقاد اور محبت والا ہے۔

دائرہ نبوت کی وسعت:

اب دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تو پورے عالم کے ہیں، پیدا مکہ میں ہوئے اور وفات مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ پوری زمین کو ماپ لیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ 40,008 کلومیٹر بنتا ہے۔ آپ اس کے وسط کو دیکھ لیں یہ مکہ ہے، زمین کے آخری کونے سے لے کے مکہ تک یہ بارہ ہزار سات سو چھپن (12756) کلومیٹر بنتے ہیں۔ یہ ٹوٹل مسافت ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دور کے بھی نبی ہیں جب لوگ پیدل چلتے تھے، اس دور کے بھی نبی ہیں جب لوگ خچر پر سفر کرتے تھے، اس دور کے بھی نبی ہیں جب لوگوں نے سائیکل پر بیٹھنا شروع کیا، اس دور کے بھی نبی ہیں جب لوگ ریل کار میں بیٹھے، اس دور کے بھی نبی ہیں جب لوگ جہاز پر بیٹھے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کا دائرہ نبوت اتنا وسیع ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں سے لیکر مکہ پہنچنے میں ایک مہینے سے زیادہ وقت لگتا ہو۔ آج کے دور میں سب سے تیز رفتار سواری ہوائی جہاز شمار ہوتا ہے۔ عام جہاز کی رفتار 1170 کلومیٹر فی گھنٹہ ہے اور ابھی تک جو جہاز ایجاد ہوئے ہیں تو تیز ترین جہاز

13000 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کرتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا کے ایک کونے سے لے کر مکہ تک تیز ترین جہاز پہنچے تو ایک گھنٹہ نہیں لگتا۔ اب بتائیں میرے نبی کا دائرہ نبوت کتنا وسیع ہے؟! گویا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پاس آنے والا اتنا دور ہو کہ میرے پاس آنے میں ایک ماہ لگے تو میرا رعب وہاں تک بھی جاتا ہے اور آج معاملہ کیا ہے؟

مدینہ سے دنیا کے آخری کونے تک آج کے دور کا تیز رفتار جہاز چلے تو ایک گھنٹہ لگتا ہے اور مسافت پوری ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ایک گھنٹے کے علاوہ پورے مہینے کے گھنٹوں کو جمع کریں تو اتنا آپ دائرے کو پھیلاتے چلے جائیں، میرے نبی مدینہ منورہ میں موجود ہیں کوئی جگہ ایسی نہیں بچتی جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے میں ایک ماہ سے زیادہ مسافت ہو، اس کا معنی یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مدینہ میں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب ہے پوری کائنات میں۔ اب بتاؤ! یہ ضرورت پہلے انبیاء علیہم السلام کو تھی؟ (نہیں۔ سامعین) ضرورت ہی نہیں تھی، وہ تو ہیں ہی ایک بستی کے نبی، وہ تو ہیں ہی ایک قوم کے نبی۔

عطا اسی کو جس کو ضرورت ہو:

مثلاً ایک مسجد ہے، اس میں دو سو نمازی ہیں اور مسجد کے ہال میں پانچ سو نمازیوں کی گنجائش موجود ہے۔ اب وہاں تو امام کو اسپیکر کی ضرورت ہی نہیں ہے، امام صاحب نماز پڑھائیں گے تو دو سو کے پاس آواز پہنچ جائے گی، لیکن ایک مسجد ایسی ہے کہ جو پانچ منزلہ ہے اور وہاں نمازی ہیں پانچ ہزار۔ اب امام صاحب نماز پڑھا رہے ہیں نچلی یعنی پہلی منزل میں، اوپر کی چار منزلوں تک آواز پہنچانے کے لیے لاؤڈ اسپیکر چاہیے نا؟! تو جس کی مسجد چھوٹی اس کو لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت نہیں ہے اور جس

کی مسجد بڑی ہے تو ضرورت اس کو ہے نا!!

پہلے نبی بستی کا نبی ہے، اس کو ”نَصْرَتْ بِالرُّعْبِ“ کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے نبی پورے عالم کے نبی ہیں، اس لیے ان کو ”نَصْرَتْ بِالرُّعْبِ“ کی ضرورت تھی اور اللہ نے عطاء بھی فرما دی ہے۔

تیسری خصوصیت؛ مالِ غنیمت کا حلال ہونا:

وَأُحِلَّتْ لِي الْغَنَائِمُ.

میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال قرار دے دیا گیا۔ مالِ غنیمت کے حلال ہونے کا معنی یہ ہے کہ مسلمان میدان جنگ میں کفار کے ساتھ جہاد کے لیے نکلے اور کافر کا جو مال ان کو جنگ کے بعد ملایہ ”مالِ غنیمت“ ہے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کے لیے یہ حلال نہیں تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جہاد کیا، مالِ غنیمت حلال نہیں تھا، اسی طرح پہلے انبیاء علیہم السلام کے لیے مسئلہ یہ تھا کہ اگر مالِ غنیمت ملتا تو اس کو میدان میں جمع کر لیتے آسمان سے آگ آتی اس کو جلا دیتی، یہ اس بات کی علامت تھی کہ جہاد قبول ہو گیا ہے۔ اگر وہ آسمان سے آنے والی آگ اس مال کو نہ جلاتی تو یہ اس بات کی علامت ہوتی کہ یہ جہاد قبول نہیں ہوا۔

جج مقبول کی نشانی کنکری کا اٹھ جانا:

اسی قسم کا ملتا جلتا معجزہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے قیامت تک کے لیے ہیں، ان میں ایک معجزہ قرآن کریم ہے اور دوسرا معجزہ یہ ہے کہ جو آدمی حج کے لیے جائے، اس کا حج قبول ہو جائے تو وہ جمرات میں جو کنکری مارے وہ خود بخود اٹھ جاتی ہے، اٹھانی نہیں پڑتی۔ اب لوگوں کو تعجب ہوتا ہے کہ بعض کنکریاں اٹھانی پڑتی ہیں۔ میں نے کہا: اگر سود کے مال سے حج ہو تو کنکری اٹھتی نہیں بلکہ اٹھانی پڑتی ہے، جب حج عبادت نہ ہو بلکہ فیشن

ہو تو کنکری اٹھتی نہیں بلکہ اٹھانی پڑتی ہے، جب حج عبادت نہ ہو بلکہ کاروبار بنے تو کنکری پھر اٹھتی نہیں بلکہ اٹھانی پڑتی ہے، یہ ہمارے معاشرے کی وہ باتیں ہیں جو مجھے آپ کو سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے، آپ خود اچھی سمجھتے ہیں۔

مالِ غنیمت؛ حلال و پاکیزہ:

خیر میں عرض کر رہا تھا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں مالِ غنیمت کا حکم یہ تھا کہ مالِ غنیمت کو ایک میدان میں جمع کر لیا جاتا، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا ڈالتی تو یہ علامت تھی کہ جہاد قبول ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز یہ ہے کہ دشمن کے مد مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نکلے، میدان جنگ میں کفار سے لڑے، جو مال غنیمت ملے وہ ان کے لیے حلال ہے جو پہلے والوں کے لیے حلال نہیں تھا، اور یہ بات ذہن نشین فرمائیں کہ تاجر جو حلال مال اپنی دکان پہ کمائے شائد اتنا پاکیزہ مال یہ بھی نہ ہو جتنا پاکیزہ غنیمت کا مال ہے۔ قرآن کریم نے اس کے لیے دو لفظ استعمال کیے ہیں: ﴿حَلَالًا طَيِّبًا﴾

(سورۃ الانفال: 69)

یہ مالِ غنیمت حلال بھی ہے اور پاکیزہ بھی ہے۔

آج تعجب اس لیے ہے کہ ہماری زندگی سے یہ شعبہ نکل گیا ہے اسی لیے تو بات سنتے ہی تعجب ہوتا ہے، عمل کرنا تو بڑے دور کی بات ہے۔

مالِ غنیمت حلال ہونے کی وجہ:

خیر میں عرض کر رہا تھا کہ اب امت کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ میدان میں نکلیں، کافر کا مال ملے وہ اس امت کے لیے حلال ہے۔ اب اعزازِ نبوت سمجھیں، پہلے نبیوں کے لیے مالِ غنیمت حلال نہیں تھا، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مالِ غنیمت حلال ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے نبی ایک بستی کے نبی ہیں، کاروبار بھی کریں اور

مخالف سے جہاد بھی کریں، Business بھی کریں اور جہاد بھی کریں۔ ہمارے نبی پورے عالم کے نبی ہیں صرف ایک خطے کے نبی تو نہیں ہیں۔ توجہ اللہ کے نبی کی قوم نے جہاد کے لیے نکلنا ہے، اب ایسے مرحلے بھی آئیں گے کہ جہاد کریں تو کاروبار نہیں ہے، دکان پہ بیٹھیں تو جہاد نہیں ہے، چلو اگر ایک کاروبار ہو بھی تو سب کا نہیں ہے، اگر یہ دور نکل جائیں تو کاروبار والے کے لیے پیسے پیچھے سے پہنچنے نہیں ہیں، نہ ادھر بینک اکاؤنٹ ہے، نہ پیسے جاسکتے ہیں۔

اب یہ قوم کرے گی کیا؟ اللہ نے ان کو پیچھے سے بے نیاز کر دیا۔ جہاں انہوں نے جانا ہے وہاں کمانا نہیں ہے، کمانا کافر نے ہے اور کھانا انہوں نے ہے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امت کا اعزاز خدا نے دیا ہے کہ اپنے مقام سے نکلے، اب پیچھے سے مال نہیں آتا ہے، نہ اس کی ضرورت ہے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ نبوت وسیع ہے، دنیا کے آخری کونے تک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ سے نکلے، سمندر کے آخری کنارے پہ کھڑے ہوئے اور گھوڑے کے اگلے پاؤں سمندر میں ڈال دیے اور صحابی رسول نے کہا: اللہ! جہاں تک میں آسکتا تھا میں آیا، اس سے آگے جانا میرے بس میں نہیں۔

اب بتائیں مدینہ سے صحابی نکلے اور افریقہ جائے تو مدینہ کا مال افریقہ کیسے پہنچے گا؟ مدینہ سے نکلے خراسان جائے، اب مدینہ منورہ کی تجارت کا پیسہ وہاں کیسے پہنچے گا؟ یہ تو ممکن نہیں تھا۔ اللہ نے کرم یہ کیا کہ مال غنیمت حلال قرار دے دیا کہ اب پچھلے شہر سے میدانِ جہاد میں مال لانے کی ضرورت نہیں ہے، اب ان کافروں کا کمایا ہوا مال خود بھی کھاتے جاؤ اور پیچھے گھر بھی دیتے جاؤ۔ تمہیں یہ شبہ نہ آئے کہ یہ مال حرام ہے بلکہ یہ مال حلال بھی ہے اور طیب بھی ہے، پہلے نبیوں کو ضرورت نہیں تھی اس لیے خدا نے نہیں دیا، ہمارے نبی کی ضرورت تھی تو خدا نے حلال قرار

دے دیا ہے۔ تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال کیوں ہے؟ وجہ ”حُتْمَہِ النَّبِیُّوْنَ“ ہے کہ یہ آخری نبی جو ہے، ان کے بعد کوئی نبی پیدا ہونا جو نہیں ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے دور تک جانا تھا، وہاں کمائیں کیسے؟ تو خدا نے بتا دیا کہ کمانا کافروں نے ہے، تم نے ان کے کمائے کو خود بھی کھانا ہے اور جو پیچھے چھوڑ کر آئے ہو تم نے انہیں بھی دینا ہے۔ اب کمانا تمہارے ذمہ نہیں، کمانا ان کے ذمہ ہے اور تمہارے لیے ان کے کمائے کو کھانا ہے۔

تمہارا خون میٹھا ہے:

مجھے اس پہ ایک واقعہ یاد آیا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا۔ آپ مسلمانوں کے جرنیل ہیں، سامنے ایران والے ہیں، ادھر مدینہ والے ہیں، سامنے کافر ہیں ادھر نبوت کے غلام ہیں، ادھر سے ایک جرنیل کہنے لگا: خالد! ایک بات تو بتاؤ تم ہمارے ساتھ لڑنے کے لیے آئے ہو، ان تلواروں سے تم لڑ سکو گے؟ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنگ تلواروں سے نہیں، جنگ بازو کی طاقت سے ہوتی ہے۔ اس نے کہا: اچھا یہ بتاؤ تم یہاں پر کیوں آئے ہو

؟ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے جملے بڑے قوی ہیں، فرمایا: ”سنا ہے تمہارا خون میٹھا ہے، اس لیے ہم نے یہاں کا سفر کیا ہے۔“ یہ میدان جنگ کی باتیں ہیں، رات کے تہجد کی باتیں نہیں ہیں۔ ہمارے لوگ بہت عجیب ہیں، صحابی کا روناد دیکھا تو ذہن اور بنالیا، صحابی کا تقویٰ دیکھا تو ذہن اور بنالیا، رات کے تہجد دیکھے تو ذہن اور بنالیا۔ ارے بندہ خدا! صحابی کا رات کو تہجد میں رونا بھی دیکھ، صحابی کا دن کو گھوڑے کی پیٹھ پہ دوڑنا بھی دیکھ۔ ایک زندگی نہ دیکھو دونوں زندگیوں کو دیکھو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مزاج کیا تھا: باللیل رہبان وبالنہار فرسان۔

رات کو دیکھو تو عبادت گزار، دن کو دیکھو تو شہسوار۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے اس جرنیل نے سوال کیا کہ خالد یہ بتاؤ تم مدینہ سے یہاں پہنچے ہو، تمہاری مکہ مدینہ منورہ سے آئے گی؟ فرمایا: نہیں آئے گی۔ مدینہ منورہ سے تمہارا اسلحہ آئے گا؟ کہا: نہیں آئے گا۔ مدینہ منورہ سے خوراک آئے گی؟ کہا: نہیں آئے گی۔ اس جرنیل نے کہا: پھر کس چیز کے بل بوتے پہ لڑتے ہو کہ پیچھے سے مکہ بھی نہیں آرہی، اسلحہ بھی نہیں آرہا، خوراک بھی نہیں آرہی تو پھر لڑو گے کیسے؟ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک جملہ بولا جو تاریخ نے سینے میں محفوظ کر لیا، فرمانے لگے: مدینہ سے مدد نہیں آتی، آسمان سے آتی مدد میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

مال غنیمت کے حلال ہونے کی وجہ:

وَأُجِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ.

تو مال غنیمت حلال کیوں ہے؟ وجہ ”خُتِمَ بِالنَّبِيِّونَ“ ہے کہ آخری نبی جو ہیں، جانا دور تک ہے، اب یہ کمائیں یا جہاد کریں، تو فرمایا کہ اے پیغمبر! ہم نے اس اشکال کو دور کر دیا، مال غنیمت ہی کو حلال کر دیا ہے۔ اب پوری دنیا وسیع ہے، تم جہاں جاؤ یہ نہ سوچو کہ یہاں Business کیسے، یہاں کاروبار کیسے؟ یہ نہ کہنا کہ ہمارا کیا بنے گا؟ ہم نے مال غنیمت ہی کو حلال کر دیا ہے، کافر کمائے گا اور تم کھاؤ گے۔

چوتھی خصوصیت: زمین ذریعہ طہارت:

وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا.

خدا نے پوری زمین کو میرے لیے طہور یعنی پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا۔ پہلے نبیوں کے لیے تیمم کی گنجائش نہیں تھی۔ اس امت کے لیے تیمم کی گنجائش موجود ہے۔ پہلے نبیوں کی امت نے وضو کرنا ہوتا تو پانی سے، پہلے نبیوں کی امت نے غسل

کرنا ہوتا تو پانی سے، فرمایا: اس امت نے وضو کرنا ہے اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر لے، اس امت نے غسل کرنا ہے اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر لے۔ اُن کو تیمم نہیں دیا، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے اور پوری زمین کو ان کے لیے ”طہور“ بنا دیا۔ پچھلی امتوں کے لیے جو کام پانی سے لیا اس امت کے لیے وہی کام مٹی سے لیا ہے۔ اس کی ضرورت کیا تھی؟ پہلے نبی ایک بستی کا نبی ہے جہاں بستی ہوتی وہاں پانی بھی تو ہوتا، اگر پانی نہ ہو تو ”بستی“ بستی ہی نہیں ہے۔ بستی تب ہوتی ہے جب بسنے کی جگہ تو ہو، اگر بسنے کی جگہ نہ ہو تو اسے بستی کہتے ہی نہیں ہیں، تو بستی وہاں ہوگی جہاں پانی ہو، شہر وہاں ہوگا جہاں پانی ہو، آبادی وہاں پہ ہوگی جہاں پانی ہوگا۔

مکہ میں کھیتی باڑی نہیں ہوتی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل کو مکہ میں چھوڑا اور اللہ سے دعا کی: ﴿رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِی زَرْعٍ﴾
(سورۃ ابراہیم: 37)

[اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے حرمت والے گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں لاسایا ہے جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی۔]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ”غَیْرِ ذِی زَرْعٍ“ کہا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! میں اپنے گھر والوں کو ایسی جگہ پہ چھوڑ کے جا رہا ہوں جس میں کھیتی باڑی نہیں ہے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ”غَیْرِ ذِی زَرْعٍ“ کہا ”غَیْرِ ذِی مَاءٍ“ نہیں کہا یعنی یہ تو کہا ہے کہ اس میں کھیتی باڑی نہیں ہے، یہ نہیں کہا کہ اس میں پانی نہیں ہے۔ آج بھی مکہ میں دیکھیں کھیتی باڑی نہیں ہے، پانی آج بھی وہاں موجود ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ”غَیْرِ ذِی مَاءٍ“ نہیں کہا کہ اس میں پانی نہیں ہے بلکہ ”غَیْرِ ذِی زَرْعٍ“ کہا ہے کہ اس میں کھیتی نہیں ہے حالانکہ بظاہر

تو پانی تھا ہی نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مشکیزہ اور کچھ کھانے کا سامان دیا اور چلے گئے، تو پانی تو تھا ہی نہیں لیکن آپ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ اے اللہ! میں نے اپنے گھر والوں کو ایسی جگہ پہ چھوڑا ہے جہاں پانی نہیں ہے بلکہ فرمایا: ایسی جگہ پہ چھوڑا ہے جہاں پہ کھیتی باڑی نہیں ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس زمین میں کھیتی باڑی کی صلاحیت تو نہیں تھی البتہ اس میں پانی کی صلاحیت تھی، کھیتی آج بھی نہیں ہے لیکن پانی وہاں سے آج بھی پوری دنیا میں جا رہا ہے۔ میں ایک جملہ کہتا ہوں: دنیا کی کھیتی وہاں آ رہی ہے اور وہاں کا پانی پوری دنیا میں جا رہا ہے۔ دنیا کھیتی باڑی کرتی ہے فصل وہاں پہنچتی ہے، وہاں سے پانی نکلتا ہے پوری دنیا میں پہنچ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ”غَيْرِ ذِي زَرْعٍ“ نہیں فرمایا بلکہ ”غَيْرِ ذِي زَرْعٍ“ فرمایا ہے۔

زمین ذریعہ طہارت کیوں؟

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زمین کو تیمم کے لیے پاک کیوں بنادیا؟ وجہ یہ ہے کہ پہلے نبی ایک بستی کا نبی تھا۔ جب بستی میں ہے تو پانی بھی ہے تبھی تو بستی ہے، ایک شہر کا نبی ہے تو شہر وہاں ہو گا جہاں پانی بھی ہے، ایک قوم کا نبی ہے قوم وہیں ٹھہرے گی جہاں پانی بھی ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بستی کے نہیں، ایک قوم کے نہیں بلکہ اقوام عالم کے نبی ہیں، تمام جہانوں کے نبی ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام میں فرق یہ ہے کہ پہلے نبی کی امت نے نماز تو پڑھی ہے لیکن بستی میں کیوں کہ اسی بستی کا ہے، نہ کہیں جانا نہ نمازوں کا مسئلہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے وہاں بھی جانا ہے جہاں پانی نہیں ہے، اگر پانی ہے تو کبھی اتنا نہیں ہے کہ جس سے وضو کریں یا جس سے غسل کریں، اتنا ہے کہ بس پی سکتے ہیں غسل نہیں کر سکتے، پیئیں تو وضو نہیں ہے

وضو کریں تو پینا نہیں ہے، اب یہ امت کیا کرے؟ اللہ نے کرم یہ کیا کہ پہلی امت نے چونکہ مخصوص جگہ پہ رہنا ہے اس کے لیے پانی تھا تو تیمم کی ضرورت نہیں تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے ایسی جگہوں پہ جانا ہو گا جہاں غسل کی حاجت ہوگی لیکن پانی نہیں ہوگا، وضوء کی حاجت ہوگی لیکن پانی نہیں ہوگا تو جب پانی نہیں ہوگا تو وضوء کیسے کرے گی؟ پانی نہیں ہوگا تو غسل کیسے کرے گی؟ تو فرمایا:

جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا.

اگر وضوء کے لیے پانی نہیں تو مٹی سے تیمم، اگر غسل کے لیے پانی نہیں تو مٹی سے تیمم، اُن کی جگہ محدود تھی وہاں پر پانی تھا، اس نبی کی جگہ غیر محدود ہے جہاں پانی نہیں، تو اس کی امت وہاں بھی ہے جہاں پانی نہیں ہوگا۔ تو اب دلیل واضح ہو گئی کہ اس نبی کے لیے زمین کو ”طہور“ کیوں بنایا؟ فرمایا: ”خُتِمَ بِيَ النَّبِيِّينَ“ یہ آخری نبی جو ہیں، یہ ساری کائنات کے نبی ہیں، پہلی امتوں کو ضرورت نہیں تھی تو ان کے لیے نہیں بنایا تھا، ہمارے نبی کو ضرورت تھی اس لیے ”طہور“ بنا دیا ہے۔ تو ”طہور“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ نبوت کی وسعت کے لیے ہے۔

پانچویں خصوصیت: روئے زمین سجدہ گاہ:

فرمایا: وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا. میرے لیے پوری زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا گیا ہے۔ پوری زمین کو سجدہ گاہ کیوں بنایا؟ پہلی امت کے لیے عبادت کے لیے مخصوص مکان ہے، وہاں ٹھہر کے نماز پڑھیں، اس امت کے لیے مخصوص مکان بھی ہے جہاں ٹھہر کے نماز پڑھیں لیکن کسی بھی جگہ نماز پڑھیں تو اللہ نے اسے سجدہ گاہ بنا دیا ہے۔ یہ اعزاز صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے۔

روئے زمین کو سجدہ گاہ بنانے کی وجہ:

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلا نبی ایک بستی کا نبی ہے، ایک بستی میں ایک مکان

بنایا جاسکتا ہے کہ لوگ وہیں آ کے نماز پڑھیں، پہلے نبی ایک شہر کانہی ہے، ایک شہر کے لیے مخصوص مکان بنا سکتے ہیں کہ وہیں آ کے نماز پڑھیں، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شہر کے نبی نہیں ہیں بلکہ پورے عالم کے نبی ہیں، ہم اس عالمی نبی کے امتی ہیں، ہم جارہے ہیں اب جنگل آگیا ہے۔ نماز ہم نے پڑھنی ہے جگہ مسجد کے لیے نہیں ہے، اب ہم کیا کریں؟ ہمارے نبی بیابان کے بھی نبی ہیں جہاں آبادی نہیں ہے تو مسجد وہاں بنے کیسے؟ اللہ نے اعزازیہ دیا: **وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا**۔

ہمارے نبی کے لیے پوری زمین کو سجدہ گاہ بنادیا گیا۔ اُن کی ایک خاص جگہ تھی جہاں وہ سجدہ کر سکتے تھے، ہمارے نبی کے لیے ایک خاص جگہ نہیں ہے بلکہ پوری زمین جہاں بھی سرٹیک سکیں وہی مسجد ہے۔ ایک مسجد وہ ہے جو وقف ہو، یہاں مراد عام ہے ”مصلیٰ“ یعنی نماز پڑھنے کی جگہ۔ تو پہلے انبیاء علیہم السلام کی ضرورت نہیں تھی تو ان کے لیے پوری زمین کو سجدہ گاہ نہیں بنایا، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت تھی تو ان کے لیے پوری زمین کو سجدہ گاہ بنادیا۔

مخصوص پتھر ہی جائے سجدہ کیوں؟!

اس سے آپ ایک مسئلہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ آپ نے پوری دنیا میں کہیں اہل السنۃ و الجماعت کو دیکھا کہ مخصوص چیز پہ سجدے کرتے ہوں؟ (نہیں۔ سامعین) کیوں نہیں کرتے؟ اس لیے کہ پوری زمین سجدہ گاہ ہے۔ تو یہ جو ایک پتھر لیے پھرتا ہے کہ میں نے سجدہ اس پہ کرنا ہے یہ پوری زمین پہ نہیں کرتا۔ اس کو لوں پیچھو کہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دائمی ایس؟ [اس سے پوچھو کہ کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہو؟] اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتا، وہ کسی اور کو نبی مانتا ہے، اگر تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتا ہے تو پھر پتھر پہ سجدے نہ کر، کسی بھی پاک جگہ پہ سجدہ کر، نبی فرمائیں پوری زمین سجدہ گاہ

ہے تو تو نے مخصوص پتھر کو سجدہ گاہ کیوں بنایا ہے؟! اللہ نے خاص پتھر کو سجدہ کے لیے متعین کیا یا پوری زمین کو سجدہ گاہ بنایا؟ (پوری زمین کو۔ سامعین) تو اسے دیکھو! یہ جیب میں پتھر لیے پھرتا ہے کہ میں نے اس پہ سجدہ کرنا ہے، تو پھر مان لے نا کہ یہ ہمارا نہیں ہے، ہمارے نبی کا نہیں ہے، اگر ہمارا اور ہمارے نبی کا ہوتا تو ایک پتھر پہ سجدہ نہ کرتا پوری زمین کے چپے چپے پہ سجدہ کا قائل ہو۔

ہمارے لوگ اس چیز کو نہیں سمجھتے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا ہے، کیوں جی؟ کہ یہ ہماری مسجد میں آگیا ہے۔ بھائی! تیری مسجد میں آگیا ہے لیکن تیری مسجد میں سجدہ نہیں کرتا، سجدہ تیرے پاس کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، تیرا کلمہ نہیں پڑھتا، تیری اذان نہیں مانتا، تیری طرح وضو نہیں کرتا، تیری طرح نماز نہیں پڑھتا، تیری مسجد کے فرش پہ سجدے بھی نہیں کرتا، تو بتا وہ تیرا کیسے ہے؟ اتنی جلدی ہر کسی کو اپنانا نہ بنا لیا کرو، قیامت کے دن الگ الگ ہونا ہے تو خدا کے لیے دنیا میں الگ الگ ہو جاؤ، یہ معاملے بالکل صاف صاف رکھو۔ اپنے آپ میں یہ ملاوٹ کبھی نہ کرنا۔

ہمیں لوگ کہتے ہیں فلاں نے، فلاں نے کیا۔ میں نے کہا ہم فلاں کے ذمہ دار نہیں ہیں، ہم خالص دین کی بات کرتے ہیں، ہم ملاوٹ والا مسئلہ پیش نہیں کرتے۔ اگر مان لو گے تو خالص مدد دیکھو گے، مان لو گے تو خالص جنت ہے، نہیں مانو گے تو پھر ملاوٹ کرنے کی سزا ضرور ملے گی۔ اللہ ہمیں خالص دین عطا فرمائے۔

چھٹی خصوصیت؛ رسالت عامہ:

وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً.

اللہ نے مجھے پوری مخلوق کا نبی بنایا ہے۔ توجہ رکھنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: أُرْسِلْتُ إِلَى الْإِنْسِ جَمِيعًا۔ کہ مجھے تمام انسانوں کا نبی بنایا۔ یہ بھی نہیں فرمایا: أُرْسِلْتُ إِلَى الْإِنْسِ وَالْجِنِّ جَمِيعًا۔ مجھے انسان اور

جنت کا نبی بنایا۔

بلکہ فرمایا: اُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً۔ مجھے پوری مخلوق کا نبی بنایا۔

پوری مخلوق میں جن بھی ہے، پوری مخلوق میں حور بھی ہے، پوری مخلوق میں غلمان بھی ہیں، پوری مخلوق میں فرشتے بھی ہیں، پوری مخلوق میں امتیں بھی ہیں، پوری مخلوق میں امتوں کے نبی بھی ہیں، پھر مان لیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے بھی نبی ہیں، یہ ملائکہ کے بھی نبی ہیں، حور و غلمان کے بھی نبی ہیں، امتوں کے بھی نبی ہیں، یہ انبیاء کے بھی نبی ہیں۔

رسالت کا عموم؛ زمان و مکان و مکین تک:

ابھی تو میں نے وہ چیزیں بیان کی ہیں جو ذی روح ہیں، فرشتہ، انسان، حور و غلمان ذی روح ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میں صرف ذی روح کا نبی ہوں، بلکہ فرمایا میں پوری مخلوق کا نبی ہوں۔ مخلوق میں ذی روح بھی ہے، مخلوق میں جو روح والا نہیں وہ بھی ہے، پتا یہ چلا کہ مخلوق میں مکین روح والا بھی ہے، مخلوق میں مکان جو روح والا نہیں وہ بھی ہے، مخلوق میں زمان بھی ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سارے مکانات کے نبی ہیں، ہمارے نبی سارے مکینوں کے نبی ہیں، ہمارے نبی سارے زمانوں کے نبی ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سارے مکانوں کے نبی ہیں تو مکانوں میں دنیا بھی ہے، مکانوں میں برزخ بھی ہے، تو حضور یہاں کے بھی نبی، حضور وہاں کے بھی نبی، ہمارے نبی سارے زمانوں کے نبی، ہمارے نبی قیامت تک کے نبی ہیں، جب دنیا بنی تھی تب بھی نبی تھے، جب دنیا نہیں ہوگی تب بھی نبی ہوں گے۔

رسالت عامہ کی دلیل:

اس کی وجہ کیا ہے؟ میری دلیل پہ غور کرنا۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب

مشرکین نے کہا تھا: اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاُمِطِرْ عَلَيْنَا جَارَةً مِنَ السَّمَاءِ اَوْ اَنْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ.

(سورة الانفال: 32)

اے اللہ! اگر یہ دین محمد سچا ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہمیں دردناک عذاب دے دے۔

ذرا توجہ رکھنا۔ اللہ نے آسمان سے پتھر کیوں نہیں برسائے؟ خدا نے اس کی دلیل دی ہے، فرمایا: وَاَنْتَ فِيْهِمْ.

(سورة الانفال: 33)

میں ان پر پتھر نہیں برساتا اس لیے کہ میرا نبی آپ جو ان میں ہیں،

✽ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے پتھر نہیں برسا، وجہ ”وَاَنْتَ فِيْهِمْ“

✽ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر مدینہ میں چلے گئے پتھر نہیں برسا، وجہ ”وَاَنْتَ فِيْهِمْ“

✽ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تبوک چلے گئے، ان پر پتھر نہیں برسا، وجہ ”وَاَنْتَ فِيْهِمْ“

✽ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرش پہ گئے ان پر پتھر نہیں برسا، وجہ ”وَاَنْتَ فِيْهِمْ“

✽ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں گئے ان پر پتھر نہیں برسا، وجہ ”وَاَنْتَ فِيْهِمْ“

اللہ نے فرمایا ان کو ہلاک اس لیے نہیں کرتا کہ آپ ان میں موجود ہیں،

پھر مان لے ناکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بھی نبی ہیں، مدینہ کے بھی نبی ہیں، فرش کے بھی نبی ہیں، عرش کے بھی نبی ہیں، اس جہان کے بھی نبی ہیں، اُس جہان کے بھی نبی ہیں۔

”اَرْسَلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوری مخلوق کے نبی

ہیں۔ یہ بھی مخلوق، وہ بھی مخلوق، یہ جہان بھی مخلوق وہ جہان بھی مخلوق۔

حیات الانبیاء کی نرالی دلیل:

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب مسئلہ لکھا ہے، فرماتے ہیں: نبی جن کا نبی ہو ان میں زندہ بھی ہوتا ہے۔ مکہ کے نبی، مکہ میں زندہ، مدینہ کے نبی مدینہ میں زندہ، زمین کے نبی زمین پہ زندہ، فرش کے نبی فرش پہ زندہ، عرش کے نبی عرش پہ زندہ، یہاں کے نبی یہاں پہ زندہ، وہاں کے نبی وہاں پہ زندہ تو پھر مان لے نبی یہاں بھی زندہ تھے، نبی وہاں بھی زندہ ہیں، یہاں کے بھی نبی ہیں، وہاں کے بھی نبی ہیں، یہاں بھی زندہ وہاں بھی زندہ۔

رسالت عامہ کی وجہ:

ہمارے نبی پوری مخلوق کے نبی ہیں۔ میں بات سمجھا رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات کی طرف کیوں بھیجا گیا ہے؟ تو وجہ حضور نے خود بتائی ہے، فرمایا: ”خَتَمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ“ آخری نبی جو ہیں۔ پہلے نبی پوری مخلوق کے نبی کیوں نہیں تھے؟ اس لیے کہ ان کے بعد نبی اور آنا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوری مخلوق کے نبی کیوں ہیں؟ اس لیے کہ ان کے بعد کوئی اور نبی آنا جو نہیں ہے، اس لیے پوری مخلوق کے نبی ہیں۔

نبی کا علم زیادہ:

یہ مسئلہ ذہن نشین فرمائیں کہ نبی جن کا نبی ہو ان میں نبی سے زیادہ حسین بھی کوئی نہیں ہوتا، ان میں نبی سے بڑا عالم بھی کوئی نہیں ہوتا۔ پتا ہے چلا کہ حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہم السلام تک سارے نبیوں کا علم ملا لیا جائے تو میرے نبی کا علم زیادہ ہے، قیامت تک آنے والے سب انسانوں کے علم کو ملا لیں تو میرے نبی کا علم زیادہ ہے، کیوں کہ نبی جن کا نبی ہو ان میں نبی سے بڑا عالم کوئی نہیں ہوتا، پتہ چلا پوری

کائنات کا علم ایک طرف ہو تو بھی ہمارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم زیادہ ہے۔

نبی کا حسن زیادہ:

نبی جن کا نبی ہو ان میں نبی سے زیادہ حسین کوئی نہیں ہوتا پھر مان لے کہ ہمارے نبی کا حسن سارے نبیوں سے زیادہ، ان کا حسن امت سے زیادہ، ان کا حسن جنت سے زیادہ، یہ جنت کا بھی نبی ہے، جنتی کا بھی نبی ہے تو جنتی سے بھی زیادہ مصطفیٰ حسین ہے، جنت سے بھی زیادہ مصطفیٰ حسین ہے۔

”وَأَرْسَلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً“ فرمایا میں پوری مخلوق کا نبی ہوں۔ وجہ ”وَحُتِمَ فِي النَّبِيِّينَ“ کہ آخری نبی جو ہوں کہ میرے بعد کسی نبی نے آنا جو نہیں ہے۔ میں نے اس دعوے پہ جو دلائل دیے ہیں اللہ کرے آپ کو سمجھ آجائیں۔

خلاصہ کلام:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھے چھ اعزاز دیے:

1: ”أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ“ مجھے جوامع الکلم دیے، وجہ؟ ”حُتِمَ فِي النَّبِيِّينَ“ کہ میں آخری نبی جو ہوں میری ضرورت تھی۔

2: ”وُنْصِرْتُ بِالرُّعْبِ“ مجھے رعب دے کر میری مدد کی، وجہ؟ ”حُتِمَ فِي النَّبِيِّينَ“ کہ میں آخری نبی جو ہوں میری ضرورت تھی۔

3: ”وَأُجِّلْتُ إِلَى الْغَتَائِمِ“ مالِ غنیمت میرے لیے حلال کیا، وجہ؟ ”حُتِمَ فِي النَّبِيِّينَ“ کہ میں آخری نبی جو ہوں میری ضرورت تھی۔

4: ”وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا“ ساری زمین کو میرے لیے طہور بنا دیا، وجہ؟ ”حُتِمَ فِي النَّبِيِّينَ“ کہ میں آخری نبی جو ہوں میری ضرورت تھی۔

5: ”وَمَسَّجِدًا“ پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنایا، وجہ؟ ”حُتِمَ فِي النَّبِيِّينَ“

کہ میں آخری نبی جو ہوں میری ضرورت تھی۔

6: ”وَأُزِيلَتْ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً“ مجھے پوری مخلوق کا نبی بنایا، وجہ؟ ”خُتِمَ بِنَبِيِّنَا“ کہ میں آخری نبی جو ہوں میرے بعد کسی نبی نے آنا جو نہیں۔

یہ ہمارے نبی کا اعزاز ہے، اللہ ہمیں یہ اعزاز سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارا اور آپ کا اعزاز:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، ہم آخری امت ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا، اس امت کے بعد کسی امت نے آنا نہیں اور اللہ کے نبی نے ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعد والوں کا یعنی میرا اور آپ کا تذکرہ فرمایا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: متی ألقى إخواني؟ میں اپنے بھائیوں سے کب ملوں گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ فرمایا: بَلْ أَنْتُمْ أَصْحَابِي، وَإِخْوَانِي الَّذِينَ آمَنُوا بِي وَلَمْ يَرُونِي، أَنَا إِلَيْهِمْ بِالْأَشْوَاقِ۔ (کنز العمال: رقم 34583)

تم تو میرے اصحاب ہو، میرے بھائی وہ ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں اور میرا کلمہ پڑھا ہے، انا إليهم بالاشواق، ان کی ملاقات کا میں مصطفیٰ بھی شوق رکھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میرا دل کرتا ہے میں ان سے ملوں جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں لیکن میرا کلمہ پڑھا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دیکھیں گے اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں گے ان شاء اللہ، کہاں پہ؟ حوض کوثر پہ۔ ان شاء اللہ حوض کوثر پہ زیارت ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوگا، بس یہ دعا کریں کہ اللہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں جام کو شرعاً عطا فرمائے، اللہ رب العزت مجھے اور آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عشق نصیب فرمائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا غلام بنائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین.

عنوان: امت کے رہنما طبقات (حصہ اول: خلفاء راشدین)

تاریخ: 2 جون 2014ء

مقام: جامع مسجد موتی 2 بلاک سرگودھا

امت کار ہنما طبقہ (خلفاء راشدین)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِيْهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ
وَمَنْ يُّضِلِّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ
سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ
الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿وَمَا اَتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ
عَنْهُ فَاَنْتَهُوْا﴾

(سورۃ الحشر: 7)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِی.

(مسند احمد: حدیث نمبر 22395 عن ثوبان)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی
اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.

حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک جو میں نے آپ کی خدمت
میں پڑھا ہے، بہت کم مسلمان ایسے ہوں گے جنہوں نے اس ارشاد مبارک کو نہ سنا ہو۔
ضرورت اس بات کی ہے کہ بندہ ایک حدیث کو سنے، پھر حدیث کو سمجھے۔ بعض لوگ
حدیث کو سنتے نہیں اور بعض لوگ سنتے تو ہیں مگر حدیث کو سمجھتے نہیں، اس لیے حدیث
کا سنتا بھی ضروری ہے اور حدیث کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِی.

میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔

یہ حدیث مبارک ہے۔ پہلے حدیث سمجھ لیں، پھر اس کے بعد جو بات میں سمجھانا چاہتا ہوں اس کو شروع کروں گا۔ ہو سکتا ہے یہ بات ایک درس میں مکمل ہو، ہو سکتا ہے دو درس میں ہو یا ہمارے تین یا چار درس لگ جائیں لیکن میں ان شاء اللہ پوری بات سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ اصل میں بات سمجھ تب آتی ہے جب کوئی آدمی کسی گفتگو کو تسلسل کے ساتھ سنے۔ بعض لوگ ایک درس سنتے ہیں دوسرا نہیں سنتے، کوئی دوسرا سنتا ہے تو پہلا نہیں سنتا، تو ان لوگوں کو ہماری پوری بات سمجھ نہیں آتی کہ ہم آپ کی خدمت میں کیا گزارش کرنا چاہتے ہیں۔ تو پہلے اس حدیث کا مفہوم سمجھیں، اس کے بعد میں اگلی بات شروع کروں گا۔

مفہوم حدیث:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔
میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا۔
عام طور پر اس حدیث کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے:

”میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“

میرا خیال ہے کہ آپ نے ہمیشہ یہی ترجمہ سنا ہے ”میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“ آپ نے یہی ترجمہ سنا ہے نا؟ [جی ہاں۔ سامعین]
میں اس ترجمہ پر قادیانیوں منکرین ختم نبوت کا اعتراض نقل کر کے پھر صحیح ترجمہ پیش کروں گا۔

قادیانیوں کا اعتراض:

میں نے کئی بار آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ میں آپ کے مسلک کی خطابت نہیں کرتا بلکہ آپ کے مسلک کی وکالت کرتا ہوں۔ وکیل سمجھتا ہے کہ میں ایسی بات کروں جس پر اعتراض کا موقع نہ ملے۔ خطیب نے نہ جواب دینا ہے، نہ اُس کو

اس سے غرض ہے کہ اگر اعتراض ہو تو کیا ہو گا؟ ان پر جب اعتراض ہونا ہے تو انہوں نے کہنا ہے مولانا الیاس گھمن کو بلا لو۔ تو جب اعتراض ہو تو ہماری باری آتی ہے اور جب اعتراض نہ ہو تو پھر خطباء کی باری ہوتی ہے۔ اس لیے میں ترجمہ وہ کرنے لگا ہوں جس پر اعتراض نہ ہو۔ پہلے آپ یہ سمجھیں کہ اس ترجمہ پر اعتراض کیا ہوتا ہے؟ جب ہم یہ ترجمہ کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“

تو آپ سے مرزائی، قادیانی، منکرین ختم نبوت پوچھیں گے: کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنا ہے یا نہیں آنا؟ آپ کیا جواب دیں گے؟ [آنا ہے۔ سامعین]

نبوت سلکیشن سے ملتی ہے الیکشن سے نہیں:

اچھا وہ پوچھیں گے: عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوں گے یا نہیں ہوں گے؟ آپ کیا جواب دیں گے؟ [ہوں گے۔ سامعین] ہاں جب آئیں گے تو نبی ہوں گے۔ دنیا کے عہدے الیکشن سے ملتے ہیں اور نبوت یہ خدا کا انتخاب ہے جو سلکیشن سے ملتا ہے، الیکشن فرش پہ ہوتی ہے اور نبی کی سلکیشن عرش پہ ہوتی ہے۔ اس لیے فرشیوں کے الیکشن بدلتے رہتے ہیں اور عرش کی سلکیشن کبھی نہیں بدلتی۔ اللہ جب کسی کو نبوت دیں تو پھر نبوت لیتے نہیں ہیں۔ ہمارے انتخاب الیکشن والے ہوتے ہیں اور خدا کا انتخاب سلکیشن والا ہوتا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آئیں گے تو نبی بھی ہوں گے اور ابھی حدیث کا ترجمہ آپ نے کیا:

”میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“

اب مرزائی کہیں گے کہ جب کوئی نبی نہیں آئے گا تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کو کیوں مانتے ہیں؟ اب آپ پھنس جائیں گے، اب آپ کو جواب دینا پڑے گا اور یہ میرا سرگودھا کا تجربہ نہیں ہے پوری دنیا کا تجربہ ہے۔ جہاں جہاں سے لوگ پھنستے

ہیں وہاں وہاں سے رابطہ ہم سے کرتے ہیں۔ چونکہ ہماری مثال ڈاکٹر کی ہے صحت مند آدمی مٹھائیوں کی دکان پر جاتا ہے اور جب بیمار ہو جائے تو ڈاکٹر کے کلینک پر جاتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ہمارے پاس تو بیمار ہی آئیں گے کہ ہمیں فلاں تکلیف ہو گئی ہے، ہمیں فلاں مرض لاحق ہو گیا ہے اب ہمارا علاج کرو۔

مذکورہ اعتراض کا جواب:

اب ان مرزائیوں کو ہم جواب کیا دیں گے؟ تو آپ حضرات غور سے سمجھیں کہ ہم نے ان مرزائیوں کو یہ جواب دینا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضرور آئیں گے، اگرچہ آپ علیہ السلام مستقل نبی ہوں گے لیکن نبی ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ امتی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے۔ میں اس کی مثال دیتا ہوں۔

توضیح بالمثال:

ابھی مغرب کی نماز میں نے آپ کی مسجد میں پڑھائی لیکن کوئی بندہ بھی نہیں کہے گا کہ ”2 بلاک کی اس مسجد کے امام مولانا الیاس گھمن ہیں۔“ ہر بندے نے کہنا ہے کہ ”امام مولانا عبدالرشید صاحب ہیں۔“ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ”جب امام مولانا عبدالرشید صاحب ہیں تو نماز مولانا گھمن صاحب نے کیوں پڑھائی ہے؟“ تو آپ کہیں گے کہ مولانا نے ہماری مسجد میں نماز اس وجہ سے نہیں پڑھائی کہ ہماری مسجد کے امام ہیں بلکہ نماز اس وجہ سے پڑھائی ہے کہ چونکہ عالم دین ہیں، ہمارے مہمان ہیں، ہم نے مصلے پر کھڑا کر دیا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے تو نبی، لیکن اس امت میں آئیں گے تو نبی ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ امتی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے۔

میں نے آپ کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھائی ہے تو امام ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ مستقل عالم ہونے کی حیثیت سے، تو مسجد کا امام ہونا الگ حیثیت ہے اور

مستقل عالم ہونا الگ حیثیت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو مستقل نبی بھی ہوں گے لیکن نبی ہونے کی حیثیت سے نہیں آئیں گے بلکہ امتی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے۔

پھر آپ سے مرزائی پوچھیں گے کہ ”امتی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے تو نبی ہونے کی حیثیت ختم ہو جائے گی؟“ آپ نے کہا ہے: ”نہیں“، تو وہ کہے گا کہ ”آپ نے جو ترجمہ کیا ہے کہ ”میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا“ تو امتی ہونے کی حیثیت سے بھی آئیں تو ہیں پھر بھی نبی نا؟! تو آپ نے نبی کا آنا تمان لیا“ تو اب آپ کیا جواب دیں گے؟ پھر آپ نے پھنسا ہے اور جوابات مشکل ہو جانے ہیں۔ اس لیے میں ترجمہ کرنے لگا ہوں، پہلے ترجمہ سمجھ لیں۔ آپ ترجمہ یوں کریں:

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي.

میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا۔

”پیدا نہیں ہو گا“ کے ترجمہ کا ثبوت:

اب یہ گرائمر کی چیز ہے اور ہے بھی عربی گرائمر کی۔ چلیں میں بات اس لیے عرض کر دیتا ہوں کہ بعض علماء کا علمی فائدہ ہو جائے کہ یہ ترجمہ میں نے کیسے کیا ہے کہ ”پیدا نہیں ہو گا۔“ اس حدیث میں لفظ ہیں ”لَا نَبِيَّ بَعْدِي“، اب ”لَا نَبِيَّ بَعْدِي“ کا ترجمہ یہ بنتا ہے ”میرے بعد کوئی نبی نہیں“

اب آگے والا ترجمہ کہ ”نبی نہیں ہو گا“ یا ”نبی پیدا نہیں ہو گا“ یہ حدیث میں نہیں ہے۔ تو یہ آگے والا ترجمہ کہاں سے نکلتا ہے؟ میں یہ بات اس لیے کہہ دیتا ہوں کہ آپ کی سمجھ میں بات نہ بھی آئے لیکن آپ کے علم میں ضرور ہو کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ دراصل عربی زبان میں نحو اور گرائمر کا ضابطہ ہے کہ حدیث ”لَا نَبِيَّ بَعْدِي“ میں یہ ”لَا“ لائے نفی جنس ہے، ”نَبِيَّ“ اس کا اسم ہے اور ”بَعْدِي“ اس کی

خبر ہے اور یہ ”بَعْدِی“ مضاف اور مضاف الیہ ہے۔ یہ مضاف اور مضاف الیہ مل کر ایک مخذوف کے متعلق ہیں۔ وہ مخذوف اگر آپ چاہیں تو ”ثابت“ نکالیں، چاہیں تو ”موجود“ نکالیں۔ ”ثابت“ نکالیں تو ترجمہ ہوگا: ”میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔“ ”موجود“ نکالیں تو ترجمہ ہوگا: ”میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔“ تو آپ جو بھی مخذوف نکالیں۔ یہ مخذوف اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں نکالا بلکہ یہ کام علماء کے حوالے کر دیا کہ علماء ضرورت کے مطابق کون سی عبارت نکالتے ہیں۔

یہ میں نے اس لیے کہا کہ آپ کی سمجھ میں بات نہ بھی آئے لیکن آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ گرائمر کا کون سا قاعدہ یہاں پر لگتا ہے۔

سمجھ میں آیا تو اچھا، نہ آیا تو بہت اچھا:

میں یہاں پر ایک واقعہ سنایا کرتا ہوں آپ کو بھی سنا دیتا ہوں۔ بعض لوگوں کو میرے بیان پر تعجب ہوتا ہے کہ مولانا صاحب! یہ بات جب عوام کی نہیں تھی اور عوام کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی تو آپ نے عوام میں کیوں بیان کر دی؟! جب سمجھ نہیں سکتے تو کیوں بیان کر دی؟! اس پر میں بطور دلیل کے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا، حضرت نے ایک جگہ بیان فرمایا۔ بیان خاصہ علمی تھا، عوام کے سروں کے اوپر سے گزرا، لوگوں کو سمجھ نہیں آیا تو ایک مولانا صاحب نے بیان کے بعد حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ سے عرض کیا: حضرت آپ نے اتنا مشکل بیان عوام میں کیا جو ان کی سمجھ میں نہیں آیا، ان کے سامنے ایسا بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی جو ان کی سمجھ میں نہیں آیا؟!!!

اب حضرت کا جواب سننا، حضرت فرمانے لگے: مولوی صاحب! اگر ان کو میرا یہ بیان سمجھ آگیا تو اچھا ہے، اگر سمجھ نہیں آیا تو بہت اچھا ہے۔ ان مولانا صاحب نے کہا: حضرت ہمیں تو آپ کا یہ جملہ بھی سمجھ نہیں آیا کہ ”بیان سمجھ آگیا تو اچھا ہے،

اگر سمجھ نہیں آیا تو بہت اچھا۔“ اب حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا جملہ سمجھنا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ اگر میرا بیان ان کو سمجھ آگیا تو اچھا کہ جو مسئلہ میں ان کو سمجھانا چاہتا ہوں وہ سمجھ آگیا، اور اگر میرا بیان سمجھ نہیں آیا تو بہت اچھا، کیونکہ یہ عوام اس وقت گمراہ ہوتی ہے جب یہ اپنے علماء کے علم کی قائل نہیں ہوتی۔

اس وقت یہ دائیں بائیں دیکھتی رہتی ہے، کبھی ادھر سے سی ڈی دیکھ لی، ادھر سے کیسٹ سن لی، ادھر سے کتاب پڑھ لی، ادھر سے رسالہ پڑھ لیا، جب اپنے علماء کا علم تھوڑا سمجھتے ہیں اور گمراہ کرنے والے بندے کا علم زیادہ سمجھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہماری مسجد کا مسئلہ غلط ہے اُس مسجد کا مسئلہ ٹھیک ہے تو دوڑ کر ادھر ہو جاتے ہیں اور جب ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ ہمارے مولانا صاحب اتنے بڑے عالم ہیں کہ ہم ان کے علم تک نہیں پہنچ سکتے تو پھر ان کے پاس دلیل نہ بھی ہوتی تب بھی یہ گمراہ نہیں ہوتے۔ تو فرمایا کہ ان کو اگر میرا بیان سمجھ نہیں آیا تو ان کو یہ تو پتہ چل گیا کہ مولوی اشرف علی عالم بہت بڑا ہے، یہ اب کبھی گمراہ نہیں ہوں گے، میرے مقابلے میں کسی اور بندے کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

اپنے علماء پر اعتماد کیجیے:

میں ایک بات کرتا ہوں۔ آپ کی مسجد کا عالم، آپ کی مسجد کا امام، آپ کی مسجد کا خطیب یا آپ کا پیر اور مرشد جس سے آپ کی بیعت ہے اگر آپ کے داغ میں اس کی علمی طاقت مسلم ہو، اب اگر آپ کے پاس اپنے مسلک پر دلائل نہ بھی ہوں لیکن آپ کو یہ پتا ہو کہ جس عالم سے میرا تعلق ہے اس کے پاس مسائل پر دلائل بہت ہیں تو کوئی بندہ آپ کے مسئلے کے خلاف سوشبہات بھی پیش کرے تب بھی آپ کو بد ل نہیں سکتا کیوں کہ آپ کا ذہن بنا ہوا ہے کہ اس مسئلے پر میرے پاس دلیل نہیں ہے لیکن میرے شیخ صاحب کے پاس ہے اور میرے امام صاحب کے پاس دلیل موجود

ہے۔ میں ان پڑھ آں میرے کول دلیل نئی تاں میں استادوں کولوں پچھ لاں گا۔ [میں ان پڑھ ہوں، میرے پاس دلیل نہیں ہے تو میں استاذ صاحب سے پوچھ لوں گا] اب آدمی گمراہ کبھی نہیں ہوگا۔

”پیدا نہیں ہوگا“ کے ترجمہ کا فائدہ:

تو میں نے عرض کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان:

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي.

کا ترجمہ اگر یہ کریں گے کہ ”میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔“ تو اب اعتراض نہیں ہوگا، اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا نہیں ہوں گے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیدا ہو کر آسمانوں پر جانا اور وہاں سے نازل ہونا یہ الگ بات ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہونا یہ بالکل الگ بات ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ”نازل“ ہوں گے اور مرزا قادیانی ”پیدا“ ہوا تھا۔ ایک ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ”نازل“ ہونا اور ایک ہے حضور کے بعد ”پیدا“ ہونا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”پیدا“ ہونے کی نفی فرمادی ہے اور ”نازل“ ہونے کا اقرار فرمایا ہے۔ اس لیے ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں کیونکہ وہ نازل ہوں گے اور مرزے قادیانی کو نہیں مانتے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوا ہے۔

حضرت امیر شریعت کا واقعہ:

مجھے اس پر ایک چھوٹا سا واقعہ یاد آیا امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کا۔ حضرت کے ساتھ ایک مرزائی گفتگو کرنے لگا اور اس مرزائی نے گفتگو کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ ہمارا مرزا غلام احمد بھی نبی ہے۔ امیر شریعت عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: جی ان کا ذکر قرآن میں ہے کہ

حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے۔ حضرت امیر شریعت عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ تعجب سے پوچھنے لگے: کون سی آیت ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت مرزے کے بارے موجود ہے۔ اس نے کہا: جی قرآن کریم میں ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ.

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ میرے بعد ایک ایسا رسول آئے گا جس کا نام احمد ہے۔

تو دیکھو ہمارے نبی کی بشارت قرآن کریم میں موجود ہے جو عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے، حضرت امیر شریعت پوچھنے لگے کہ قرآن مجید میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے الفاظ ہیں اس میں تو لفظ ”احمد“ ہے اور تمہارے نبی جس کو تم مانتے ہو وہ ”غلام احمد“ ہے۔ وہ مرزائی کہنے لگا: اس میں کیا فرق پڑتا ہے؟ ”غلام“ کاٹ دو پیچھے ”احمد“ رہ جاتا ہے اور احمد کی بشارت ہے۔

امیر شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری فرمانے لگے: نبی تو بنانا ہے میں نے، تو جب میں نے نبی بنایا ہی نہیں تو وہ نبی کیسے بن سکتا ہے؟ نبی بنانا تو میرے ذمے ہے، میں جس کو نبوت دوں وہ نبی بنتا ہے، جس کو نبوت نہ دوں وہ نبی نہیں بنتا۔ میں نے اس کو نبوت نہیں دی تو وہ نبی کیسے بنا؟ وہ مرزائی کہنے لگا: آپ نبوت کیسے دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ ہوں، اللہ نبی بناتا ہے تو میں اللہ ہوں۔ اس نے کہا: جی آپ تو اللہ نہیں، آپ تو عطاء اللہ ہیں۔

فرمایا: لفظ ”عطاء“ کاٹ دو نا، باقی ”اللہ“ رہ جاتا ہے، تو میں اللہ ہوں۔ اس نے کہا: جی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو انہوں نے کہا: پھر وہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر ”غلام“ کاٹنے سے ”احمد“ بنتا ہے تو ”عطاء“ کاٹنے سے ”اللہ“ بنتا ہے۔ میں نبی بناواں گاتے بنے گا نا! (میں نبی بناؤں گا تو وہ نبی بنے گا) اس کو میں نے نبی نہیں بنایا، اس لیے یہ نبی نہیں

بن سکتا۔ یہ باتیں بسا اوقات موقع کی مناسبت سے کہنی پڑتی ہیں کسی بندے کو بات سمجھانے کے لیے۔

عقیدہ نزولِ مسیح علیہ السلام:

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، آپ کو خدا نے زندہ آسمان پر اٹھالیا، اب قیامت سے پہلے دوبارہ آسمان سے نازل ہوں گے۔ میں ان شاء اللہ پھر کبھی نزولِ مسیح علیہ السلام پر دلائل بھی دوں گا اور نزولِ مسیح کی حکمتیں بھی پیش کروں گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ کیوں آنا ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ آدمی کے دماغ میں عقلی دلیلیں بھی آنی چاہئیں تاکہ پتا چلے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیوں آنا ہے؟ قرآن بھی دلیل ہے، حدیث بھی دلیل ہے اور عقلی توجیہات بھی آپ کو معلوم ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ کیوں تشریف لانا ہے؟

غامدی صاحب کا بے بنیاد نظریہ:

ہمارے پاکستان کے غیر مہذب قسم کے غیر عالم دانشور ہیں، اب وہ پاکستان چھوڑ کے دوڑ گئے ہیں، ان کا نام ہے ”جاوید احمد غامدی“۔ اس جاوید غامدی نے امت کو یہ نظریہ دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت آئی ہے اور موت کے بعد اللہ نے اٹھایا ہے، زندہ آسمان پر نہیں اٹھایا۔ اب وہ دلیل اس انداز میں پیش کرے گا کہ کالج کا طبقہ بہت جلد قابو میں آتا ہے کہ بہت مضبوط دلیل پیش کی ہے۔ ان کی ذرا دلیل سنیں جس بنیاد پر کالج کے لڑکے قابو آتے ہیں اور کور (Cover) ہوتے ہیں۔ اس نے کہا قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے فرمایا: اِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسٰى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعْکَ اِلَیَّ۔ اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنے پاس اٹھالوں گا۔ وَمُظْهِرْکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔

اور ان کافروں سے میں تجھ کو پاک رکھوں گا، ان کے ناپاک ہاتھ میں تیرے جسم کو لگنے نہیں دوں گا۔

اب اس نے کہا: ”دیکھو قرآن کریم کی ترتیب ہے کہ میں ان کو موت دوں گا، موت کے بعد اٹھالوں گا اور کافروں سے تجھے بچالوں گا اور میں بھی یہی بات کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ پر موت کا آنا یہ کوئی غلط بات نہیں ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر موت آئی ہے، گزشتہ انبیاء پر موت آئی ہے، ان پر موت آگئی تو ان کی توہین نہیں ہے۔“ اب کالج کا بندہ بہت جلدی اس بات کو قبول کرتا ہے، وہ تاجر جس کے پاس دلائل نہیں ہیں بہت جلدی اس بات کو قبول کرتا ہے کہ بھائی! حضرت آدم علیہ السلام پر وفات آئی، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان سب پر موت آئی ہے، اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت آگئی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا: میں تجھے موت دوں گا اور تجھ کو اٹھالوں گا اور تجھ تک ان کو پہنچنے نہیں دوں گا، اللہ پاک نے موت دی ہے اور آسمان پر اٹھالیا ہے اور یہ جو یہودی چاہتے تھے ہم سولی پر لٹکا دیں گے خدا نے بچایا ہے اور یہ جو چاہتے تھے ان کے جسم کو مثلہ کریں گے تو اس سے خدا نے بچایا ہے، تو غامدی کہتا ہے کہ میں وہ بات کہتا ہوں جو قرآن مجید کے مطابق ہے۔ اب عام بندے سمجھتے ہیں کہ بات اس نے بڑی معقول کی ہے۔

شانِ نزول کی اہمیت:

ہمارے ہاں 87 جنوبی مرکز اہل سنت و الجماعت میں 12 روزہ تحقیق المسائل شروع ہے، میں نے اس میں آج ایک بات کی تھی، میں اس درس میں اسے اپنی دلیل کے حوالے سے عرض کرتا ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ قرآن کریم کے سمجھنے کے لیے بنیادی تین اصول ہیں۔ ان میں ایک اصول ہے کہ قرآن کا پس منظر،

قرآن کا شان نزول اور قرآن کا بیک گراؤنڈ (Background) معلوم ہو۔ آیت کا شان نزول، آیت کا پس منظر اور بیک گراؤنڈ جب تک معلوم نہ ہو اس وقت تک قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا۔ شان نزول سے مراد یہ ہے کہ یہ آیت اللہ نے کس پس منظر میں نازل فرمائی ہے، یہ ارشاد کس پس منظر میں فرمایا، جب تک وہ پس منظر دماغ میں نہ آئے گا اس وقت تک قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا۔ یہ جو اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بات فرمائی تو کس موقع پر فرمائی، اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ ذرا اس کو ذہن میں رکھیں تو پھر فیصلہ کریں کہ غامدی صاحب کی رائے ٹھیک ہے یا ہماری رائے ٹھیک ہے؟! پس منظر اس کا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اعلانِ نبوت فرمایا، امت کو دین کی دعوت دی تو یہودی ان کے مخالف اور دشمن ہو گئے۔ یہودیوں نے فیصلہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنا چاہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جان بچانی چاہی، آگے کرہ تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کمرے میں تشریف لے گئے، دروازہ بند کر لیا، اب یہودی باہر کھڑے ہیں ان کی جان لینے کے لیے، وہ اندر ہیں اپنی جان بچانے کے لیے۔

توجہ رکھنا۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ سے دعا کرتے ہیں: اے میرے اللہ! مجھے ان ظالموں سے بچالے، مجھے ان کے قتل سے بچالے۔ عیسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے ہیں تو اللہ رب العزت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دیتے ہیں کہ اے عیسیٰ! آپ گھبراہٹ میں نہیں، یہ آپ کو قتل نہیں کر سکتے، موت میں نے دینی ہے، وفات میں نے دینی ہے، موت میرے اختیار میں ہے، یہودی آپ کو مار نہیں سکتے۔ (عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی) اللہ! یہ باہر کھڑے ہیں، مجھے یقین ہے کہ موت آپ دیں گے لیکن آپ مجھے ان سے بچائیں گے کیسے؟ اللہ رب

العزت نے فرمایا: رَافِعُكَ اِلَیَّ. میں تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا اور تجھ تک ان کے جسم کو پہنچنے نہیں دوں گا۔

تسلی پہلے دی جاتی ہے:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے تسلی دی ہے پھر اس کی صورت بتائی ہے۔ اس کی مثال سمجھیں۔ میں آپ کے 2 بلاک میں درسِ حدیث دینے کے لیے آیا۔ مجھے سرگودھا کی انتظامیہ کہتی ہے کہ اگر آپ درس کے لیے گئے تو ہم آپ کو گرفتار کر لیں گے، آپ نے اس مسجد میں درس نہیں دینا۔ میں نے آپ سے رابطہ کیا: بھائی وہ لوگ کہتے ہیں گرفتار کر لیں گے۔

آپ کہتے ہیں: مولانا گھبراہٹیں نہیں۔ اب میں مسجد کے اندر پہنچا تو پولیس نے چاروں طرف سے مسجد کو گھیرا۔ میں مثال دے رہا ہوں۔ آپ کہتے ہیں: مولانا صاحب! بیان فرمائیں۔ میں نے کہا: بیان تو میں کروں گا لیکن یہ جو باہر کھڑے ہیں مجھے گرفتار کر لیں گے۔ آپ کہتے ہیں: ہم میزبان ہیں ہمارے ذمے ہے ہم آپ کو گھر تک پہنچائیں گے۔ میں نے کہا: میں آپ پر اعتماد کرتا ہوں لیکن مجھے کوئی صورت تو بتاؤ نا، یہ تو مسجد گھیر کر کھڑے ہیں، آپ مجھے کیسے بچاؤ گے؟

توجہ رکھنا۔ آپ محراب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے کہتے ہیں: مولانا صاحب! ذرا ادھر دیکھیں، ادھر دیکھیں کا کیا مطلب؟ اس کا مطلب کہ محراب میں دروازہ ہے، پولیس والے ادھر کھڑے ہیں، انہیں اس راستے کا پتہ نہیں ہے۔ ہم آپ کو اس راستے سے نکالیں گے، یہاں سے ایک سیڑھی ہے جو سیدھی اوپر گھر کو جاتی ہے، گھر سے دوسرے مکان کی چھت پر اتاریں گے، وہاں سے گاڑی گزرے گی یوں آپ نکل جائیں گے۔

اب میں آپ سے کہہ رہا تھا: مجھے پولیس والے گرفتار کریں گے۔ آپ نے

کہا: گرفتار کرنے نہیں دیں گے۔ میں نے کہا: مسجد کے باہر چاروں طرف پولیس کھڑی ہے، آپ مجھے کیسے بچائیں گے؟ آپ نے کہا: ادھر دیکھیں۔ آپ نے مجھے تسلی کی صورت بتائی ہے۔ آپ نے یہاں محراب سے نکلنے والا راستہ دکھایا اور پھر کہا کہ ہم آپ کو گھر پہنچا دیں گے۔

اے عیسیٰ! موت تجھے میں نے دینی ہے:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا: اللہ آپ مجھے بچائیں گے لیکن باہر چاروں طرف یہودی کھڑے ہیں، یہ مجھے مارنا چاہتے ہیں، آپ کہتے ہیں میں بچاؤں گا مجھے اس پر پورا یقین ہے۔ اب توجہ رکھنا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ یا اللہ! مجھے بچا، یہ یہودی باہر کھڑے ہیں تو اللہ نے پہلے فرمایا: ﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ﴾ عیسیٰ! گھبرا نا نہیں ہے، تجھے یہ موت نہیں دے سکتے، موت میں نے دینی ہے، یہ تجھے نہیں ماریں گے، وفات میرے اختیار میں ہے، موت میرے قبضے میں ہے۔ تو ﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ﴾ کہہ کر عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی ہے کہ یہ تجھے نہیں مار سکتے، موت میں نے دینی ہے۔ (عیسیٰ علیہ السلام نے کہا) اللہ یہ بات تو میں مانتا ہوں لیکن یہ باہر گھیرے کھڑے ہیں، آپ مجھے بچائیں گے کیسے؟

فرمایا: ﴿رَافِعُكَ﴾ ہم تجھے اٹھا لیتے ہیں۔ تو ﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ﴾ کہہ کر تسلی دی ہے اور ﴿رَافِعُكَ﴾ کہہ کر اس کی صورت بتائی ہے۔ دیکھو اگر قرآن سمجھ آئے تو بات کتنی کھل کر سامنے آرہی ہے۔

اب بتاؤ ﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ﴾ پہلے کہنا چاہیے تھا یا ﴿رَافِعُكَ﴾ پہلے کہنا چاہیے تھا؟ ﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ﴾ پہلے کہنا چاہیے تھا۔ سامعین [اب ﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ﴾ پہلے کہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ پہلے موت آئی ہے، ﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ﴾ پہلے کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نے خود موت اپنے ہاتھ میں بتا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی ہے۔

خیر میں عرض کر رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔ میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا۔ اس عقیدہ (ختم نبوت) کو ذہن نشین فرمائیں، یہ ہمارا نظریہ ہے۔ اب جو مسائل میں نے آپ کو سمجھانے ہیں، میں وہ شروع کرنے لگا ہوں۔

امت کی رہنمائی کون کرے؟

سوال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا لیکن یہ بات تو طے شدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے قیامت تک رہنا ہے۔ تو جب کوئی نیا نبی قیامت تک نہیں آئے گا تو اب سوال یہ ہے کہ قیامت تک امت کی رہنمائی کون کرے گا؟ امت کو سمجھائے گا کون؟ امت کو دین کی طرف لے جائے گا کون؟ امت کس کے پیچھے چلے گی؟ ان میں سے چار طبقات وہ ہیں کہ جن کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے۔

☞ نمبر 1: خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

☞ نمبر 2: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

☞ نمبر 3: فقہاء کرام

☞ نمبر 4: علماء کرام

یہ چار طبقے وہ ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد قیامت تک امت کی رہنمائی کریں گے۔

امت میں اختلاف ہو تو کس کی رہنمائی میں چلیں؟

حدیث مبارک میں موجود ہے حضرت عرباض انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ۔ ایک دن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔

ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا.

پھر آپ علیہ السلام (نماز کے بعد) ہماری طرف متوجہ ہوئے۔
فَوَعظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجَلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ.
اللہ کے نبی نے ایسا بلیغ وعظ فرمایا کہ آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اور دل
تھے کہ کانپنے لگے۔

فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَانَ هَذِهِ مَوْعِظَةٌ مُودِّعٌ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا.
ایک صحابی کھڑے ہوئے انہوں نے کہا: اللہ کے نبی! آج آپ کی گفتگو سے
ایسے لگتا کہ شاید دوبارہ ہمیں آپ کی تقریر سننے کا موقع نہ ملے، ہمیں یوں لگتا ہے آپ
دنیا سے جارہے ہیں، آپ باتیں ایسے فرما رہے ہیں جیسے کوئی دنیا سے جانے والا بات
کہے، اللہ کے نبی ہمیں نصیحت کر دیں، ہمیں کوئی باتیں سمجھا دیں (تاکہ ہم آپ کے
جانے کے بعد ان باتوں کو پلے باندھ کر چلتے رہیں) اللہ کے نبی نے فرمایا:
أَوْصِيَكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّجْعَةِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبِشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ
يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا.

میں تم لوگوں کو تقویٰ کی اور سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں خواہ تمہارا
حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہا وہ (دین
میں) بہت سارے اختلافات کو دیکھے گا۔ (-توجہ رکھنا۔ دین میں اختلافات کو دیکھے گا،
آج جو ہماری الجھن پیدا ہوتی ہے کہ جی دین میں اختلافات بہت زیادہ ہیں، یہ الجھن کی
بات نہیں ہے اللہ کے نبی نے خود فرمایا تھا کہ میں دنیا سے چلا جاؤں گا اور میرے جانے
کے بعد دین میں اختلافات دیکھنے پڑیں گے لیکن ان اختلافات سے بچنے کا طریقہ کیا
ہو گا؟) تو فرمایا: فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ.

(سنن ابی داؤد: باب فی لزوم السنۃ)

تم نے میری سنت کو لازم پکڑنا ہے، (میری سنت کی پابندی کرنی ہے، میری سنت پر عمل کرنا ہے) اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑنا ہے۔
تو تم نے اختلافات سے کیسے بچنا ہے؟ دو طریقوں سے:

نمبر 1: سنتِ مصطفیٰ علیہ السلام:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي.

تم نے میری سنت کو لازم پکڑنا ہے۔

اللہ کے نبی نے یہ نہیں فرمایا: علیکم بحدیثی.

تم میری حدیث کو لازم پکڑنا، بلکہ فرمایا: عَلَيَّكُمْ بِسُنَّتِي.

تم نے میری سنت کو لازم پکڑنا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ میں دو تین وجہیں پیش کرتا ہوں۔

حدیث کے بجائے سنت کہنے کی وجہ:

وجہ نمبر 1:

ایک مسئلے پر دو حدیثیں تو ہو سکتی ہیں لیکن ایک مسئلے پر دو سنتیں نہیں ہو سکتیں۔

وجہ نمبر 2:

ایک مسئلے پر ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث منسوخ ہو اور ایک ناسخ ہو لیکن سنت کے مسئلے پر ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک سنت منسوخ ہو اور ایک سنت ناسخ ہو، حدیثیں تو منسوخ ہو سکتی ہیں لیکن سنتیں کبھی منسوخ نہیں ہو سکتیں۔

وجہ نمبر 3:

حدیث ضعیف بھی ہو سکتی ہے، سنت کبھی ضعیف نہیں ہو سکتی۔ آپ دنیا

میں گھوم کے دیکھیں، علماء کے بیانات سنیں، ہمارے موافقین کو نہیں ہمارے مخالفین کو بھی سنیں کہ وہ یہ تو کہیں گے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن یہ کبھی نہیں کہیں گے کہ یہ سنت ضعیف ہے، حدیث کو ضعیف کہہ دیں گے، سنت کو ضعیف کبھی نہیں کہیں گے۔ تو اللہ کے نبی نے ”فَعَلَيْكُمْ بِحَدِيثِي“ نہیں فرمایا بلکہ ”فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي“ فرمایا ہے کہ میری سنت کو لازم پکڑنا۔ میں نے تین دلیلیں دی ہیں، آپ ان دلیلوں کو ذہن میں رکھا کرو۔

عمل سنت پہ ہوگا:

یہی وجہ ہے کہ آپ کسی بھی جگہ کہہ دو: ”اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت پر عمل کی بات کی ہے، حدیث پر عمل کی بات نہیں کی۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث وہ بھی ہے جو پہلے دور کی ہے اور حدیث وہ بھی ہے جو بعد کے دور کی ہے لیکن سنت وہ نہیں ہے جو پہلے دور کی ہے، سنت وہی ہے جو آخری دور کی ہے۔

آپ نے سنا ہو گا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي۔ نکاح میری سنت ہے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 1839)

یہ نہیں فرمایا: ”النکاح من حدیثی“

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد۔

(مشکوٰۃ المصابیح: رقم الحدیث 176)

جو میری ایک سنت کو زندہ کرے اللہ اسے سو شہیدوں کا اجر دے گا۔

یہ نہیں فرمایا: جو میری حدیث کو زندہ کرے اللہ اسے سو شہیدوں کا اجر دے گا۔

تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دین میں اختلاف نظر آئے تو

میری سنت کے ذریعے اختلاف کو مٹانا۔

یہ نہیں فرمایا کہ میری حدیث سے اختلاف مٹانا۔ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بات ”سنت“ کی فرمائی ہے۔

دیوبند کا ذوق:

اب ذرا ذوق کی بات سمجھیں۔ آپ دیوبند والوں کے پاس آئیں، دیوبند کے پاس جہاں شعبہ جہاد کا ہے، جہاں شعبہ مناظرے کا ہے، جہاں شعبہ خانقاہ کا ہے، جہاں شعبہ سیاست کا ہے، جہاں شعبہ مدرسے کا ہے وہیں شعبہ دعوت و تبلیغ کا بھی ہے۔ آپ جب بھی دعوت و تبلیغ میں جائیں آپ نے کبھی نہیں سنا ہو گا: ”بھائی! ایک حدیث پر عمل کرنے سے اتنا اجر ملتا ہے“

بلکہ کہتے ہیں: ”ایک سنت پر عمل کرنے سے اتنا اجر ملتا ہے۔“ وہ یہ نہیں کہتے: ”حدیثیں زندہ کرو!“ وہ یہ کہتے ہیں: ”سننیں زندہ کرو!“ وہ یہ نہیں کہتے: ”اللہ حدیثیں مٹنے کا غم پیدا فرمادے“ بلکہ وہ کہتے ہیں: ”اللہ سننیں مٹنے کا غم پیدا فرمادے“ اس لیے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب ”سنت“ پر عمل کرنے کی دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو ”اہل حدیث“ نہیں کہتے چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کو پکڑنے کا حکم دیا ہے ”فَعَلَّيْكُمْ بِسُنَّتِي“ اس لیے ہم اپنے آپ کو ”اہل السنۃ والجماعۃ“ کہتے ہیں۔

درسِ سنت کے بجائے درسِ حدیث کیوں؟

اب آپ کے ذہن میں سوال آجائے گا کہ آپ کو پھر درس حدیث کی ضرورت کیا پڑی ہے؟ ”درس سنت“ بھی رکھ لیں، ”درس حدیث“ کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے؟ ذہن میں سوال تو آتا ہے نا؟! میں ساری الجھنیں دور کرتا ہوں تاکہ کوئی الجھن رہ نہ جائے۔ کوئی بندہ یہ نہ کہے کہ اس عنوان پر فلاں اعتراض باقی ہے۔ اصل

بات یہ ہے کہ ہم نے ”درس حدیث“ اس لیے شروع کیا ہے کہ سنت جو بھی ہوگی وہ یا تو قرآن سے ثابت ہوگی یا حدیث سے ثابت ہوگی، ہم قرآن اور حدیث پڑھ کر بتائیں گے کہ یہ سنت ہے، اگر حدیث پڑھے بغیر بتایا تو لوگ کہیں گے یہ حدیث کی بات ہی نہیں کرتے۔ ہم حدیث پڑھ کر بتائیں گے کہ فلاں فلاں حدیث سے فلاں فلاں سنت ثابت ہے، ہم اس لیے عنوان درس حدیث رکھتے ہیں تاکہ کوئی بندہ آپ سے یہ عنوان کھینچ نہ لے، عنوان آپ کے پاس رہنا چاہیے۔

نمبر 2: سنتِ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم

وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ.

تم نے خلفاء راشدین (رضی اللہ عنہم) کی سنت کو لازم پکڑنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمجھا رہے ہیں کہ میں دنیا سے چلا جاؤں گا۔ میرے بعد تمہاری رہنمائی کون کرے گا؟ تو فرمایا: خلفاء راشدین۔ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔ تم نے ان کی سنت کو مضبوطی سے تھامنا ہے اور تم جس طرح داڑھ کے ساتھ کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑتے ہو اسی طرح سنت کو مضبوطی سے تھامنا ہے۔

اب ذرا ایک نکتہ سمجھنا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا.

میں دنیا سے چلا جاؤں گا تم دین میں اختلاف دیکھو گے۔

دو چیزیں فرمائیں: ”فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي“ اور ”وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ“

پہلی نبی کی سنت، دوسری خلفاء راشدین کی سنت۔

سنت نبی اور سنت خلفاء راشدین دونوں پر عمل ضروری:

آگے فرمایا: تَمَسَّكُوا بِهَا.

اب یہ گرائمر کا مسئلہ ہے مگر اتنی گرائمر کی سمجھ بوجھ تو ہر بندہ رکھتا ہے۔

”سنّتی وسنة الخلفاء الراشدین“ یہ سنّتیں دو ہیں اور ”بہا“ یہ ضمیر واحد کی ہے۔ جب سنّتیں دو ہیں تو ضمیر واحد کی نہیں بلکہ ثنّیہ کی ”بہما“ ہونی چاہیے تھی۔ سنت ایک ہو تو ”بہا“ فرمائیں، دو ہوں تو ”بہما“ فرمائیں لیکن ”تَمَسَّكُوا بِهَا“ فرمایا، ”عَصُوا عَلَيْهَا“ فرمایا۔ سوال یہ ہے کہ جب سنّتیں دو ہیں تو نبی کو ”بہا“ فرمانا چاہیے یا ”بہما“؟ [بہما- سامعین]

لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”بہما“ کی جگہ ”بہا“ کا لفظ کیوں فرمایا؟ یہ بتانے کے لیے کہ دین پر عمل کرنے کے لیے جس طرح نبی کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے اسی طرح خلیفہ راشد کی سنت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے، جس طرح نبی کی سنت ہدایت ہے اسی طرح خلیفہ راشد کی سنت بھی ہدایت ہے، نبی کی سنت کو چھوڑیں تو گمراہی اور ضلالت ہے اسی طرح خلیفہ راشد کی سنت کو چھوڑیں تو گمراہی اور ضلالت ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں دو ہیں مگر درحقیقت ایک ہے۔ دیکھنے میں دو نظر آتی ہیں حقیقت میں دو نہیں ہیں، خلیفہ راشد کی سنت وہاں نہیں ہوتی جہاں نبی کی سنت موجود ہو، خلیفہ راشد کی سنت ہوتی وہاں پر ہے جہاں پر نبی کی سنت موجود نہ ہو اس وقت خلیفہ راشد کی سنت نبی کی سنت کی جگہ پر آ جاتی ہے، اس لیے کہ خلیفہ راشد نبی کا جانشین ہے، خلیفہ راشد نے کام کون سا کیا ہے؟!

علماء کی زبان میں کہتے ہیں ”خلفاء راشدین کا زمانہ تکمیل نبوت کا زمانہ ہے۔“ تکمیل نبوت کا معنی کیا ہے؟ کوئی یہ نہ سمجھے کہ نبوت کامل نہیں تھی خلفاء نے اس کو مکمل کر دیا بلکہ تکمیل نبوت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نبی دنیا سے چلے گئے، جو کام نبی نے کرنے تھے اللہ کے نبی نے وہ کام خلفاء کے ذمے لگا دیے، اب اللہ کے نبی والا کام خلفاء نے مکمل کیا، اللہ کے نبی تو چلے گئے نا، اب جو کام نبی نے کرنے تھے اللہ کے نبی نے خلیفہ کو اپنے مصلے پر کھڑا کیا، اب انہوں نے نبی والے کام کو آگے بڑھایا، اب نبی

کے کام کو آگے پہنچایا، نبی کے کام کو مکمل کیا خلفاء راشدین نے۔

جمع قرآن کا پس منظر:

اس پر میں ایک مثال دیتا ہوں۔ بہت ساری غلط فہمیاں آپ کی دور ہوں گی۔ ہمارے ہاں ایک نعرہ لگتا ہے ”جامع القرآن ہے... جامع القرآن ہے...“ آگے؟ [عثمان ہے... عثمان ہے... - سامعین] اب اس کا کیا مطلب ہوا قرآن مجید کو جمع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا ہے؟ [نہیں - سامعین] نعرے کا یہی معنی ہو گا نا کہ قرآن مجید جمع حضرت عثمان نے کیا ہے، جب حقیقت اور ہے تو پھر یہ نعرہ کیوں لگتا ہے؟ نعرہ بھی ٹھیک ہے۔ اب ذرا بات سمجھنا۔ قرآن مجید نازل کس پر ہوا؟ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ سامعین]، اللہ کے نبی پر قرآن بیک وقت سارا اتر آیا تھوڑا تھوڑا ہو کر اتر آیا؟ [تھوڑا تھوڑا۔ سامعین]

اچھا! جتنا اترتا تھا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اتنا لکھوا لیتے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں اور کاتبین وحی اور بھی موجود ہیں، قرآن جتنا اترتا جاتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے جاتے۔ اللہ کے نبی پر تھوڑا تھوڑا اتر اللہ کے نبی تھوڑا تھوڑا لکھواتے رہتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف جگہوں پر اتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوا کر مختلف جگہوں پر رکھوایا۔ اکٹھا ایک جگہ لکھا ہوا نہیں تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ کذاب سے جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی تعداد بارہ سو ہے، ان بارہ سو میں سے سات سو قرآن مجید کے حافظ تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ یہ جو تھوڑا تھوڑا قرآن الگ الگ جگہوں پر موجود ہے، اس کو ایک جگہ پر اکٹھا کر دیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دلیل سمجھنا! ابو بکر صدیق کہنے لگے:
میں ایک جگہ پر اکٹھا نہیں کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیوں؟ حضرت
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو ایک
جگہ جمع کیا تھا؟ کہا جی نہیں، فرمایا: جب نبی نے ایک جگہ پر اکٹھا نہیں کیا تو میں کس
طرح کروں؟ جو کام نبی نے نہیں کیا وہ کام میں کس طرح کروں؟ یہ حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ کی دلیل تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

فیہ خیر فیہ خیر فیہ خیر •

بہتر یہ ہے کہ جمع کر لیں، صدیق اکبر کہنے لگے: جو کام نبی نے نہیں کیا میں
کیسے کروں؟ حضرت عمر کہنے لگے: بہتر یہ ہے کہ کر لیں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں: جو کام نبی نے نہیں کیا میں کیسے کروں؟ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دلیل
پیش فرمانے لگے، حضرت عمر کہتے ہیں: بہتر ہے کہ کر لیں فیہ خیر، فیہ خیر، فیہ
خیر، حضرت عمر نے اتنی باریہ بات کی کہ حضرت ابو بکر فرماتے ہیں: عمر کی وجہ سے
خدا نے میرے دل کو کھول دیا اور شرح صدر فرمایا اور میرے دل نے مان لیا کہ قرآن
کو ایک جگہ جمع کر لینا چاہیے۔

حضرت عمر کی رائے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے کیوں تھی؟ انہوں نے کہا: دیکھو صحابہ
میں سے بہت سارے حضرات شہید ہو گئے ہیں، قرآن الگ الگ جگہ پہ موجود ہے،
اب قرآن الگ الگ جگہ پہ ہو گا اور حافظ بھی کوئی نہ رہا تو بعد میں امت قرآن کے ساتھ نا
معلوم کیا معاملہ کرے گی؟ کسی کو ایک پارہ، کسی کو ایک سورۃ، کسی کو دس سورتیں
پہنچیں گی تو یہ عجیب معاملہ بن جائے گا۔ آپ اپنی زندگی میں ایک جگہ پر جمع کرادیں،
آپ خلیفہ رسول ہیں، آپ حضور کے جانشین ہیں، آپ پر امت اعتماد کرے گی، بعد

کے لوگوں نے جمع کیا تو مسئلہ بن جائے گا، حضرت سیدنا صدیق اکبر نے ایک جگہ یہ قرآن جمع کر لیا۔

جامع القرآن حضرت عثمان:

توجہ رکھنا! یہ جمع والا کام سیدنا صدیق اکبر نے کیا، اب ”جامع القرآن صدیق“ نہیں کہتے بلکہ ”جامع القرآن عثمان“ کہتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید کئی قراءتوں میں اتر اے، میں مثال دیتا ہوں۔

ایک قراءت ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ
دوسری قراءت: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔
تیسری قراءت: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔

اب قراءتیں کئی تھیں، پوری دنیا میں کئی نسخے پھیل گئے۔ ایک نسخے میں ہے: ”مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ“ ایک میں ہے: ”مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ“ اور ایک میں ہے: ”الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ“ اب لوگوں میں لڑائی شروع ہو گئی، ایک کہتا ہے: یہ قرآن اصلی ہے، دوسرا کہتا ہے یہ قرآن اصلی ہے، تیسرا کہتا ہے قرآن اصلی ہے حالانکہ اصلی تو سارے تھے، اصل میں بات یہ تھی کہ عرب میں اس وقت سات زبانیں (لہجے) چل رہی تھیں، اللہ ان سات زبانوں میں قرآن اتارتا ہے۔ میں مثال دیتا ہوں ہم کسی سے حال پوچھتے ہیں: ”سنابھائی کی حال اے؟“ یہ بھی ہماری زبان ہے، ”تھو اڈا کیا حال اے؟“ یہ بھی ہماری زبان ہے، ”آپ کا کیا حال ہے؟“ یہ بھی ہماری زبان ہے، اب یہ کوئی فرق تو نہ ہونا۔

اسی طرح قرآن بھی کئی زبانوں (لہجوں) میں اترا، قریش کی زبان تھی اور بھی زبانیں تھیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب قرآن مجید اسی طرح مختلف قراءتوں میں پھیلا تو عجم میں جھگڑا شروع ہوا۔ حضرت عثمان کی

خلافت میں کئی جگہ سے شکایات مدینہ میں آگئیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پوری دنیا میں جتنے قرآن مجید کے نسخے پھیل گئے ہیں یہ سارے مدینہ منورہ جمع کر دو، ان سب کو اپنے پاس جمع فرمایا اور وہ ایک نسخہ جو اپنے پاس موجود تھا اس کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سات قراءتیں بھی محفوظ ہو گئیں اور امت لڑائی سے بھی بچ گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ ہے۔

تو میں بات یہ سمجھا رہا تھا کہ ”جامع القرآن“ کا معنی یہ ہے کہ پوری دنیا سے قرآن مجید کے نسخے مرکز میں جمع کر لیے اور ایک نسخہ دنیا میں عام کر دیا، اب امت میں کوئی لڑائی اور کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اب اگر کوئی سبع عشرہ کا قاری تلاوت کرے اور جس کو پتا ہے قراءتیں سات ہیں اس کو کوئی تعجب نہیں ہوتا اور جس کو نہیں پتا اس کو تعجب ہوتا ہے کہ کہیں قاری صاحب قرآن غلط تو نہیں پڑھ رہے، ہم نے تو یہ سنا ہے اور قاری صاحب کیا پڑھ رہے ہیں۔

دورِ خلفاء راشدین تکمیلِ نبوت کا دور ہے:

میں بتا رہا تھا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور خلفاء راشدین کا دور تکمیلِ نبوت کا دور ہے۔ کیا معنی؟ جو کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہونے تھے اللہ کے نبی اس دنیا سے چلے گئے، یہ کام نبی کے خلفاء کے دور میں ہوئے۔ اب کوئی بندہ کہے میں اس قرآن کو نہیں مانتا اس لیے کہ یوں لکھ کر نبی کریم نے نہیں دیا یہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا تھا اس لیے میں نہیں مانتا، اب اگر اختلاف پڑ جائے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ.

یعنی وہ جو میری سنت ہے نا الگ الگ رکھا ہوا یہ بھی ٹھیک ہے اور جو ابو بکر کی سنت ہے یہ بھی ٹھیک ہے اور جو عثمان کی سنت ہے یہ بھی ٹھیک ہے، بات سمجھ آگئی؟

دفاعِ صحابہ از قرآن:

اب اس پر میں ایک نکتہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آج جو لوگ قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں یا قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ جو قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اس پر اعتراض نہیں ہے، جو قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیا اس پر اعتراض نہیں ہے، لیکن جو قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہمیں دیا اعتراض اس پر ہے۔ ذرا بات سمجھنا۔ جو قرآن اللہ نے نبی علیہ السلام کو دیا اس پر اعتراض نہیں ہے، جو نبی علیہ السلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیا اس پر بھی اعتراض نہیں ہے، اعتراض کس پر ہے جو قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہمیں دیا اس پر اعتراض ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کو بدل دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ یعنی کچھ آیتیں صحابہ نے نکال دی ہیں اور کچھ کا اضافہ کیا ہے۔

تو ان لوگوں کا اعتراض اس قرآن پر ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہمیں دیا ہے، جو قرآن اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا وہ لکھا ہوا نہیں تھا بغیر لکھے دیا، جو قرآن نبی رضی اللہ عنہم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیا وہ پڑھ کر سنایا لکھ کر نہیں دیا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا ہے لیکن لکھ کر نہیں دیا پڑھ کر دیا ہے، اب لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جو قرآن خدا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا بن لکھے دیا، جو قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیا بن لکھے دیا، جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہمیں دیا تو لکھ کر دیا۔ تو اعتراض اس پر تھا نا!، خدا نے جواب بھی قرآن مجید میں اسی کا دیا ہے، جب قرآن شروع ہوتا تو آپ پڑھتے ہیں:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾

عربی زبان میں دو لفظ ہیں: ایک ہے ”هَذَا“ اور ایک ہے ”ذَلِكَ“، اگر چیز

قریب ہو تو کہتے ہیں ”هَذَا“ ... ”یہ“ اور اگر چیز دور ہو تو کہتے ہیں ”ذَلِكَ“ ... ”وہ“، قرآن نے یہ نہیں کہا ”هَذَا الْكِتَابُ“ بلکہ قرآن نے فرمایا: ”ذَلِكَ الْكِتَابُ“۔ اب اعتراض یہ ہے کہ جب قرآن سامنے موجود ہے تو پھر ”ذَلِكَ الْكِتَابُ“ نہیں کہنا چاہیے بلکہ ”هَذَا الْكِتَابُ“ کہنا چاہیے کہ ”اس کتاب میں کوئی شک نہیں“ لیکن اللہ فرماتے ہیں: ”اس کتاب میں کوئی شک نہیں“ جب قرآن مجید سامنے موجود ہے تو خدا نے ”هَذَا“ کے بجائے ”ذَلِكَ“ کیوں فرمایا؟

کلام، کتاب اور قرآن:

پہلے تین لفظ سمجھ لیں۔ اللہ رب العزت کے اس فرمان کو ”کلام“ بھی کہتے ہیں، اس کو ”قرآن“ بھی کہتے ہیں اور اس کو ”کتاب“ بھی کہتے ہیں۔ یہ تین نام کیوں ہیں؟ بات توجہ سے سمجھنا۔ جب اللہ تکلم کرے تو ”کلام“ بنتا ہے، جب نبی پڑھے تو ”قرآن“ بنتا ہے اور جب صحابی لکھے تو ”کتاب“ بنتی ہے۔ تو خدا نے یہ نہیں فرمایا:

﴿ذَلِكَ الْكَلَامُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾

کیونکہ اس میں تو شک تھا ہی نہیں، اسی طرح یہ بھی نہیں فرمایا:

﴿ذَلِكَ الْقُرْآنُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾

کیونکہ اس میں بھی شک نہیں تھا، شک تو اس میں تھا جو صدیق رضی اللہ عنہ نے لکھو انا تھا، تو خدا نے نبی کو جو دیا وہ بھی ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ ہے، جو نبی نے صحابہ کو دیا وہ بھی ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ ہے، جو کتاب صدیق نے لکھوا کر دی ہے وہ بھی ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ ہے، جو معاویہ نے لکھ کر دیا ہے وہ بھی ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ ہے، جو علی نے لکھ کر دیا وہ بھی ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ ہے رضی اللہ عنہم۔ تو اس پر اعتراض ہونا تھا جواب بھی اسی کا دیتے ہیں جس پر اعتراض نہیں ہونا تھا اس کا جواب دیا ہی نہیں ہے۔ اب جواب کا مطلب سمجھیں۔ اللہ نے فرمایا: ﴿ذَلِكَ﴾

گویا اللہ نے فرمایا: میرے محمد! میں قرآن آپ کو دے رہا ہوں، آپ صحابہ کو پڑھ کر سنارہے ہیں، لیکن ﴿ذٰلِكَ﴾... وہ جو بعد میں... ﴿الْكِتٰبِ﴾ صدیق لکھوائے گا... ﴿لَا رَيْبَ فِیْهِ﴾ اس میں بھی شک نہیں ہے، ﴿ذٰلِكَ﴾... وہ جو... ﴿الْكِتٰبِ﴾ معاویہ لکھے گا... ﴿لَا رَيْبَ فِیْهِ﴾ اس میں بھی شک نہیں ہے۔ تو جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے کام کرنا تھا خدا نے ﴿لَا رَيْبَ فِیْهِ﴾ کہہ کر اس پر مہر لگا دی ہے۔

دورِ خلفاء راشدین اور چار مسائل:

خیر میں یہ سمجھا رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا۔ تو جب نبی پیدا نہیں ہو گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کو کون سنبھالے گا؟ تو پہلا طبقہ خلفاء راشدین کا ہے۔ اب میں چار مسئلے پیش کرنے لگا ہوں تاکہ آپ پر بات کھلے۔

مسئلہ نمبر 1:

کوئی کہتا ہے کہ اللہ کے نبی قبر میں زندہ ہیں، کوئی کہتا ہے اللہ کے نبی قبر میں زندہ نہیں ہیں، امت پریشان ہے ہم کدھر جائیں۔ تو اللہ کے نبی نے فرمایا: وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ۔ خلیفہ راشد کے پاس جاؤ۔

مسئلہ نمبر 2:

امت میں جھگڑا ہے، کوئی کہتا ہے تین طلاق دو تو تین ہیں، کوئی کہتا ہے تین طلاق دو تو ایک ہوتی ہے، لوگ کہتے ہیں: کدھر جائیں؟ نبی نے فرمایا: وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ۔ خلیفہ راشد کے پاس جاؤ۔

مسئلہ نمبر 3:

آج جھگڑا ہے، جمعہ کے دن اذانیں دو ہیں یا ایک ہے؟ لوگ پریشان ہیں

کدھر جائیں؟ آپ نے فرمایا: وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ۔ خلیفہ راشد کے پاس جاؤ۔

مسئلہ نمبر 4:

آج جھگڑا ہے، ایک کہتا ہے: تراویح میں رکعات ہیں، دوسرا کہتا ہے: آٹھ رکعات ہیں، لوگ پریشان ہیں کدھر جائیں؟ اللہ کے نبی نے فرمایا: وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ۔ خلیفہ راشد کے پاس جاؤ۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

اب میں چاروں مسائل پر چاروں خلفاء پیش کرنے لگا ہوں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیمار تھے، انتقال ہونے لگا، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری وصیت یہ ہے کہ مجھے غسل دے دینا، کفن پہنا دینا، میرا جنازہ پڑھ دینا، میری میت کو چار پائی پر رکھ دینا، میری چار پائی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے باہر رکھ کر پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرنا، اگر اجازت ملے تو مجھے اندر دفن کرنا، اگر اجازت نہ ملے تو مجھے اندر دفن نہ کرنا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا، صحابہ رضی اللہ عنہم وہاں موجود ہیں، اگر وصیت غلط ہوتی تو وصیت کو بدلا جاتا لیکن کسی صحابی نے بھی وصیت کو بدلا نہیں ہے، سب نے صدیق کی وصیت پر عمل کیا ہے۔ عمل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سارے صحابہ اس مسئلے پر صدیق کے ساتھ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غسل دیا، کفن پہنایا، جنازہ پڑھا، چار پائی کو اٹھایا، امام رازی کہتے ہیں:

لَهَا حَمَلَتْ جَنَازَتَهُ إِلَى بَابِ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنُودِيَ السَّلَامَ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا أَبُو بَكْرٍ بِالْبَابِ فَإِذَا الْبَابُ قَدْ انْفَتَحَ وَإِذَا بِهَا تَفِيهُتُفٍ مِنَ الْقَبْرِ ادْخُلُوا الْحَبِيبَ إِلَى الْحَبِيبِ۔

(تفسیر الکبیر: ج 21 ص 74 تحت سورة الکہف)

صدیق کے جنازے کو اٹھا کر قبر کے باہر رکھ دیا گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ”السلام علیک یا رسول اللہ“ حضور! یہ ابو بکر دروازے پر آیا ہے، دروازہ کھلا، تو نبی کی قبر کی طرف سے آواز دینے والے کی آواز آئی: ادخلوا الحبیب إلی الحبیب۔ محبوب کو محبوب تک پہنچادو۔

تو مسئلہ حل ہو گیا نا! آج لوگ جھگڑتے ہیں نبی زندہ ہے یا نہیں؟ اللہ کے نبی نے فرمایا: جھگڑے چھوڑو نبی کے خلیفہ راشد سے فیصلے کراؤ، تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کر دیا کہ نبی پاک قبر میں زندہ ہیں۔

تین طلاقیں تین ہوتی ہیں:

تین طلاقیں تین ہوتی ہیں یا ایک ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دے کر فیصلہ کر دیا کہ تین طلاقیں تین ہوتی ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ موجود ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

(صحیح مسلم ج 1 ص 478، 477)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ساری احادیث موجود تھیں، تو انہوں نے فیصلہ سنا دیا تین طلاقیں تین ہی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دین میں اختلاف نظر آئے تو خلیفہ راشد کے پاس جاؤ، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا کہ تین طلاقیں تین ہیں۔

جمعہ کی اذان ثانی:

جمعہ کے دن اذانیں دو ہیں، آپ کی مسجد میں بھی دو اذانیں دی جاتی ہیں لیکن آپ کے شہر میں چند مسجدوں میں چل ایک اذان رہی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بخاری شریف میں موجود ہے:

أَنَّ الثَّانِيَيْنِ الثَّانِي يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَرَ بِهِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

حِينَ كَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ وَكَانَ التَّائِدِينَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ.

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 915)

[جمعہ کے دن کی دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا تھا جب مسجد میں نمازیوں کی تعداد بڑھ گئی تھی، پہلے اذان جمعہ کے دن اس وقت ہوتی تھی جب امام (خطبہ دینے کے لیے) بیٹھتا تھا]

یہ دوسری اذان کا فتویٰ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ.

جس طرح میری سنت ضروری ہے اس طرح خلیفہ راشد کی سنت بھی ضروری ہے۔

بیس رکعت تراویح:

تراویح کے مسئلے پہ اگرچہ بیس رکعات کی روایتیں موجود ہیں لیکن مسند الامام زید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے کی کتاب ہے، زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی، مسند الامام زید میں ہے:

عن علي انه امر الذي يصلي بالناس صلاة القيام في شهر رمضان ان يصلي بهم عشرين ركعة يسلم في كل ركعتين ويرواح مابين كاربع ركعات فيرجع ذوالحاجة ويتوضأ الرجل وان يوتر بهم من آخر الليل حين الانصراف. (مسند الامام زید ص 159، 158)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جو امام رمضان المبارک میں نماز پڑھاتا ہے وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے، ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیرے، ہر چار کے بعد ترویجہ کرے یعنی وقفہ کرے کہ حاجت مند اپنی حاجت کو پورا کر لے اور جس کو وضوء کی ضرورت ہو وہ وضوء کر لے اور جب تراویح سے فارغ ہونے

لگے تو ان کو وتر پڑھائے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جا رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی نے پیدا نہیں ہونا، اب امت کدھر جائے، تو فرمایا: **وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ**۔

میں دنیا سے جا رہا ہوں تمہیں صدیق دے کر جا رہا ہوں، تمہیں فاروق دے کر جا رہا ہوں، تمہیں عثمان دے کر جا رہا ہوں، تمہیں علی دے کر جا رہا ہوں، ان کی سنت کو تھامنا، ان کی سنت کو ایسے ہی تھامنا جیسے تم نے میری سنت کو تھامنا ہے۔ اب بتاؤ! امت کے لیے کوئی الجھن رہ جاتی ہے؟ (نہیں۔ سامعین)

خلفاء راشدین کو بھی مانو! ان کی بھی مانو!

اس لیے اب میں آخری بات کہتا ہوں ذرا اس کو توجہ سے سنیں۔

”حضرات خلفاء راشدین کو بھی مانو حضرات خلفاء راشدین کی بھی مانو!“

سمجھ میں آگئی بات؟

لوگ کہتے ہیں کہ ”ہم حضرت ابو بکر کو مانتے ہیں“ ہم نے کہا: ”حضرت ابو بکر کو مانتے ہو تو ابو بکر کی بھی مانو“، لوگ کہتے ہیں ”ہم حضرت عمر کو مانتے ہیں“ ہم نے کہا: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی مانو“، ”ہم جی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں“ ہم نے کہا: ”حضرت عثمان کی بھی مانو“، ”ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی مانتے ہیں“ ہم نے کہا: ”حضرت علی کی بھی مانو۔“

مزاج دیوبند:

ہم دیوبند والے خلفاء راشدین کو بھی مانتے ہیں، خلفاء راشدین کی بھی مانتے ہیں، خلفاء راشدین کا ایمان بھی مانتے ہیں، انہیں دلیل بھی مانتے ہیں، ان کی ذات بھی

مانتے ہیں، ان کی بات بھی مانتے ہیں، ان کو بھی مانتے ہیں، ان کی بھی مانتے ہیں، جو ان کو نہ مانے وہ بڑا رافضی ہے، جو ان کی نہ مانے وہ نیم رافضی ہے، ہم نہ بڑے رافضی ہیں نہ چھوٹے رافضی ہیں، ہم ہیں ”اہل السنۃ والجماعت احناف دیوبند“ ہم ان کو بھی مانتے ہیں اور ان کی بھی مانتے ہیں۔

باپ کو ماننا چاہیے یا باپ کی بھی ماننی چاہیے؟ بتاؤ! باپ کی بھی ماننی چاہیے۔
امام صاحب کو مانیں یا امام صاحب کے پیچھے نماز بھی پڑھیں، [پیچھے نماز بھی پڑھیں۔
سامعین] کوئی کہے کہ حضرت میں آپ کو امام مانتا ہوں مگر آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھ
سکتا، میں آپ کو خطیب مانتا ہوں لیکن آپ کی تقریر نہیں سن سکتا، آپ کو مفتی مانتا
ہوں لیکن آپ کا فتویٰ نہیں سن سکتا، میں آپ کو والد تو مانتا ہوں لیکن آپ کا احترام
نہیں کر سکتا، تو بتائیں اس نے مانا تو کیا مانا؟ اس کو ماننا نہیں کہتے۔

اس لیے ہم خلفاء راشدین کو بھی مانتے ہیں اور خلفاء راشدین کی بھی مانتے
ہیں، ہمیں سب کچھ ماننا چاہیے۔ اللہ سب کچھ ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔

خلاصہ درس:

اب ہمارے دو تین درس اسی بات پر چلیں گے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ
وسلم آخری نبی ہیں، حضور کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہونا تو اب امت کس کے حوالے؟
تو چار طبقات ہیں جنہوں نے اس امت کی رہنمائی کرنی ہے:

نمبر 1: خلفاء راشدین، نمبر 2: صحابہ کرام، نمبر 3: فقہاء، نمبر 4: علماء

آج میں نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پر بات کی ہے، آئندہ ان شاء اللہ
صحابہ رضی اللہ عنہم پر بات کریں گے، پھر فقہاء پر کریں گے، پھر علماء پر کریں گے تاکہ
یہ عنوان کھل کر سامنے آئے، ان شاء اللہ۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین.

عنوان: امت کے رہنما طبقات
(حصہ دوم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم)

تاریخ: 4 اگست 2014ء

مقام: جامع مسجد موتی 2 بلاک سرگودھا

امت کار ہنما طبقہ (صحابہ کرام)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِيْهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ
وَمَنْ يُّضِلِّ لَ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ
سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ
الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبًا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ
رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾

(سورۃ الاحزاب: 40)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي.

(مسند احمد: 22395 ج 2 عن ثوبان)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی
اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.

تمہید:

میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ آپ کی خدمت
میں چار باتیں پیش کرنی ہیں۔ چار بنیادی درس آپ کی خدمت میں پیش کرنے ہیں، پھر
ہم ایک ایک مسئلے پر احادیث کی روشنی میں بات کریں گے تاکہ آپ حضرات کے
سامنے کہ یہ بات کھل کر آئے کہ ہمارا مسلک؛ عقائد اور مسائل قرآن اور حدیث کی
بنیاد پر ہے، بغیر دلائل کے ہمارا مسلک ہر گز نہیں ہے۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ
ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات میں آخری نبی ہیں اور آپ
کے بعد قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ امت نے قیامت تک باقی رہنا ہے، اب

اس امت کی رہنمائی کون کرے گا؟ اس کے لیے میں نے عرض کیا تھا کہ چار طبقات ہیں جو امت کی رہنمائی کریں گے:

رہنما طبقات:

نمبر 1: خلفاء راشدین یعنی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ اللہ رب العزت کے پیغمبر نے ان خلفاء راشدین کی سنت کو اپنی سنت قرار دیا ہے اور اپنے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کی اتباع، اقتداء اور پیروی کا حکم دیا ہے۔ ان خلفاء راشدین کی بات کو ماننا ایسے ہی ہے جیسے ہم نے نبوت کی بات کو مان لیا ہے۔

نمبر 2: خلفاء اربعہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

نمبر 3: فقہاء کرام

نمبر 4: علماء کرام

صحابہ کرام کی شرعی حیثیت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ میں آج کے درس میں ان شاء اللہ آپ کی خدمت میں ان کی شرعی حیثیت کو بیان کروں گا، آپ حضرات اس کو سمجھیں، بسا اوقات ان کی حیثیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہم غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور صحابہ کرام کے بارے میں جو ہمارا ذہن ہونا چاہیے وہ ہرگز نہیں بن پاتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی حیثیت کیا ہے؟ میں مختلف پہلوؤں سے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

پہلی بات: عقائد و مسائل میں معیار صحابہ

پہلا عنوان یہ سمجھیں کہ شریعت کی بنیاد دو چیزیں ہیں:

نمبر 1: عقائد، نمبر 2: مسائل

عقائد اور مسائل کے مجموعہ کا نام ”شریعت“ ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں عقائد میں بھی بنیاد صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنایا ہے اور مسائل میں بھی بنیاد صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنایا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَكُوا

(سورة البقرة: 137)

اگر تمہارے عقیدے صحابہ کے عقیدوں کی طرح ہوں گے تو اللہ قبول کرے گا اور اگر صحابہ کے عقیدوں کی طرح نہیں ہوں گے تو خدا ہرگز قبول نہیں کرے گا۔

ایمان کا معنی ”عقائد“ ہیں، اگر ایمان صحابہ کے ایمان جیسا ہے تو اللہ قبول فرمائے گا اگر صحابہ کے ایمان جیسا نہیں ہے تو اللہ ہرگز قبول نہیں کرے گا، اور جب اعمال اور مسائل کی باری آئی تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ.

(سورة التوبة: 100)

[اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں]

اللہ کن سے راضی ہوتا ہے؟ اس کے لیے اللہ نے دو طبقات بیان کیے ہیں،

نمبر 1: ”وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ“ پہلا طبقہ مہاجرین اور انصار صحابہ ہیں، اللہ ان سے راضی ہے۔

نمبر 2: ”وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ“ دوسرا طبقہ وہ ہے جو اخلاص کے ساتھ ان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی اتباع کرے اللہ ان سے بھی راضی ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت نے رضامندی کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں طبقوں مہاجرین اور انصار کا ذکر فرمایا اور اس طبقے کا بھی ذکر فرمایا جو ان کی اتباع کریں اور ان کے نقش قدم پہ چلیں۔ تو پتہ یہ چلا کہ ایمان میں بھی بنیاد صحابہ ہیں اور اعمال میں بھی بنیاد صحابہ ہیں، اگر کوئی ان کی اتباع نہ کرے تو نہ اس کا ایمان قبول ہے اور نہ ہی اس کے اعمال قبول ہیں۔

صحابہ کے ایمان جیسا ایمان ہونے کا معنی:

سوال یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اگر تمہارا ایمان صحابہ کے ایمان جیسا ہے تو میں قبول کروں گا، میرا آپ سامعین سے یہ سوال ہے آپ بتائیں کہ صحابہ کے ایمان جیسا ہمارا ایمان ہو سکتا ہے؟ بتائیں ہو سکتا ہے؟ (نہیں ہو سکتا۔ سامعین) اگر نہیں ہو سکتا تو اس کا معنی تو یہ ہوا کہ ہمیں ہدایت نہیں ملی، کیونکہ اللہ نے ایمان کیلئے شرط لگائی ہے کہ ”فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنُتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا“ اگر صحابہ جیسا ایمان ہو گا تو پھر ہدایت ملے گی، صحابہ جیسا ایمان نہیں ہو گا تو پھر ہدایت نہیں ملے گی، سوال یہ ہے کہ صحابہ کے ایمان جیسا ایمان ہو سکتا ہے؟ (نہیں۔ سامعین) تو اس کا معنی یہ ہوا کہ اگر صحابہ کے ایمان جیسا ایمان ہمارا نہیں ہے تو ہدایت بھی نہیں مل سکتی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک نے ہمیں ایسی چیز کا حکم دیا ہے جو ہمارے اختیار اور بس میں نہیں ہے۔ اسے علماء کی زبان میں کہتے ہیں ”تکلیف مالا یطاق“ کہ اللہ پاک نے ایسی چیز کا مکلف بنایا ہے جو بندے کے بس میں نہیں ہے۔

اب اس سوال کا جواب سمجھیں۔ یہ جو قرآن کریم میں فرمایا:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنُتُمْ بِهِ۔

”مثل“ کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک ہوتا ہے ”مثل بالکیفیت“ اور ایک

ہوتا ہے ”مثل بالکمیت“، میں دونوں لفظ آپ کو سمجھاؤں گا۔ میں جب کوئی عربی لفظ

استعمال کروں تو آپ پریشان نہ ہو جایا کریں کہ اس کو سمجھنا مشکل ہے۔

میں اس کا ترجمہ کروں گا لیکن آپ لفظ ذہن میں رکھ لیں۔ مثل کی دو قسمیں ہیں ایک ہے ”مثل بالکیفیت“ اور ایک ہے ”مثل بالکمیت“، کیفیت اور کمیت کا معنی کیا ہے؟ ایک برابر ہونا ہے مقدار میں اور ایک برابر ہونا کیفیات میں، برابری کیفیت میں الگ چیز ہے اور برابری کمیت میں الگ چیز ہے، اب اللہ نے فرمایا کہ ”اگر تمہارا ایمان صحابہ کے ایمان جیسا ہوا.....“

اور ہم جو کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان صحابہ کے ایمان جیسا نہیں ہو سکتا تو ہمارے ذہنوں میں کیفیت آرہی ہے کہ جو کیفیت صحابہ کے ایمان کی ہے وہ بعد میں کسی امتی کی پیدا نہیں ہو سکتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کے ایمان کی کیفیت نبی کی صحبت کی وجہ سے ہے، نہ نبی نے آنا ہے نہ نبی کی صحبت ملنی ہے اور نہ صحابی جیسا ایمان ہونا ہے، اس آیت کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ تمہاری ایمانی کیفیت صحابہ کی ایمانی کیفیت جیسی ہو، بلکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہاری ایمانی کمیت صحابہ کی ایمانی کمیت جیسی ہو، مطلب یہ کہ جن چیزوں پر وہ ایمان لائے ہیں ان چیزوں پر ایمان لاؤ گے تو کامیابی ہے، ان میں سے ایک چیز بھی چھوڑ دو گے تو تمہارا ایمان قبول نہیں کریں گے۔

مثل سے مراد مقدار ہے کیفیت نہیں:

مثلاً آپ کا بیٹا ہے آپ اس کو مسجد میں لاتے ہیں تاکہ نماز سکھلائیں، آپ کہتے ہیں: بیٹا آپ نے نماز ایسے پڑھنی ہے جیسے مولانا صاحب پڑھ رہے ہیں، آپ نے مولانا صاحب کی نماز کی طرح نماز پڑھنی ہے تو آپ کی نماز قبول ہوگی۔ اب مولانا صاحب کی طرح نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ تو نے اللہ اکبر بھی کہنا ہے، تو نے ثناء بھی پڑھنی ہے، تو نے قیام بھی کرنا ہے، تو نے رکوع بھی کرنا ہے، تو نے تشہد میں بھی بیٹھنا ہے، اس کا یہ معنی نہیں کہ جو کیفیت امام کی ہے وہی کیفیت آپ کے بیٹے

کی ہو، وہی کیفیت تو ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ امام اگر قرآن پڑھتا ہے تو وہ اس کا معنی بھی سمجھتا ہے، بیٹا جب قرآن کا معنی سمجھتا ہی نہیں تو وہی کیفیت بنے گی کیسے؟

اس لئے جب آپ کہتے ہیں کہ بیٹا نماز ایسی پڑھنی ہے جیسے امام پڑھتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ امام کی طرح رکوع، امام کی طرح سجدہ، امام کی طرح قومہ، امام کی طرح جلسہ، امام کی طرح سلام، اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کیفیت امام کی نماز کی ہے وہی کیفیت بیٹے کی نماز کی ہو، تو اللہ نے فرمایا کہ اگر تمہارا ایمان صحابہ کے ایمان جیسا ہو گا میں قبول کروں گا، یہاں ”جیسا“ کا مطلب یہ نہیں کہ جو کیفیت صحابہ کے ایمان کی ہو وہی کیفیت ہمارے ایمان کی بھی ہو، آپ کو اشکال اس لیے پیدا ہوا کہ صحابہ جیسا ایمان تو ہو ہی نہیں ہو سکتا، تو قرآن کی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن جن چیزوں پر ایمان وہ لائے ہیں ان ان چیزوں پر اگر تم ایمان لاؤ گے تو ایمان قبول، اگر ان میں سے ایک چیز بھی چھوڑ دی تو ایمان ہرگز قبول نہیں۔

دوسری وجہ بھی سمجھ لیں کہ ایک ہے ”کیفیت“ جس کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور ایک ہے ”مقدار“ جس کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہے۔ اب بتاؤ صحابہ کا ظاہر تو دیکھ سکتے ہو لیکن صحابہ کی کیفیت تو نہیں دیکھ سکتے، جب صحابہ کی کیفیت نہیں دیکھ سکتے تو پھر کیفیت کی طرح کیفیت کیسے بنے گی؟! اس لیے اللہ وہ بات فرما رہے ہیں جو بندے کے اختیار میں ہے، کیفیت چونکہ ایک باطنی اور قلبی چیز ہے اس کی مثل بندہ کر سکتا ہی نہیں اور مقدار اور کمیت ظاہری چیز ہے اس لیے اللہ نے ہمیں اس کا پابند کیا ہے کہ جن جن چیزوں پر ایمان وہ لائیں ان ان چیزوں پر ایمان تم لاؤ۔

صحابی کسے کہتے ہیں؟

میں نے عقیدے کے حوالے سے ایک بات کی ہے، اب دوسری بات سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ يَاجْسَانٍ.

مہاجرین صحابہ اور انصار صحابہ اور جوان کی اتباع کرے اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

”صحابی“ کسے کہتے ہیں؟ صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جو حالتِ ایمان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے اور اسی حالتِ ایمان میں اس کا خاتمہ ہو اس کا نام ہے ”صحابی“۔ یہ بات اچھی طرح سمجھنا! اگر یہ بات سمجھ میں آگئی تو صحابی پر اعتراضات ختم ہو جائیں گے اور صحابہ پر تنقید ختم ہو جائے گی، اگر کوئی بڑا سے بڑا بھی اعتراض کرے گا تو آپ میں سے عام آدمی بھی اس کا جواب دے سکے گا لیکن پہلے بات سمجھ لیں کہ ”صحابی“ کسے کہتے ہیں؟

حالتِ ایمان میں نبی کی صحبت میں آیا ہو اور اسی حالتِ ایمان میں اس کا جنازہ اٹھا ہو اس کا نام ”صحابی“ ہے۔ اب بتاؤ! صحابی کی تعریف میں یہ آیا کہ اس نے نماز پڑھی ہو؟ اس نے روزہ رکھا ہو؟ اس نے قرآن پڑھا ہو؟ حج کیا ہو؟ اس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو؟ (نہیں آیا۔ سامعین) یہ صحابی کی تعریف میں نہیں ہے۔

صحابی کی تعریف یہ ہے کہ حالتِ ایمان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ملی ہو اور حالتِ ایمان میں دنیا سے چلا گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ صحابی کے لیے ایمان شرط ہے اور پیغمبر کی صحبت شرط ہے، صحابی کے لیے اعمال اور تقویٰ شرط نہیں ہے، ہاں یہ الگ بات ہے صحابی متقی بھی ہے اور اعمال میں بھی بے مثال ہیں، اعمال کے اعتبار سے امت میں سب سے فائز ہے لیکن صحابی ہونے کی شرط اعمال نہیں ہیں، صحابی ہونے کی شرط تقویٰ نہیں ہے، صحابی ہونے کی شرط صرف ایمان اور پیغمبر کی صحبت ہے، جہاں تک اعمال کا تعلق ہے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَسْبُوا أَصْحَابِي.

میرے صحابہ کی شان میں نازیبا کلمہ کبھی نہ کہنا!

وجہ کیا ہے؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدًّا أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ.

(صحیح البخاری: حدیث نمبر)

لفظ ”ف“ عربی زبان میں تعلیل کے لیے آتا ہے، فرمایا کہ اگر میرے صحابہ میں سے کوئی صحابی ایک آدھا مد جو خرچ کر دے اور تم بعد والے احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرو تو یہ میرے صحابی کی مٹھی بھر جو کے برابر ہر گز نہیں ہو سکتا۔

تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھایا ہے تاکہ کوئی عابد یہ نہ سمجھے کہ میری عمر ستر سال ہے، میری نمازیں زیادہ، میری تلاوت زیادہ، میرے حج زیادہ، میری سخاوت زیادہ تو شاید میں صحابی سے آگے نکل جاؤں! یہ جو صحابی امت میں آگے بڑھا ہے یہ اعمال کی بنیاد پر نہیں یہ نبوت کی صحبت کی بنیاد پر بڑھا ہے، اگر اس کے نامہ اعمال میں ایک بھی نیک عمل نہ ہو اور ایمان اور نبی کی صحبت ہو تو خدا کی قسم امت میں سارے نیک اعمال والے لوگ صحابی کے جوتے کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں۔

حضرت معاویہ افضل یا عمر بن عبد العزیز؟

امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی آدمی نے پوچھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیز افضل ہیں؟ امام عبد اللہ بن مبارک فرمانے لگے: لَتَرَابٌ فِي مَنْخَرِي مُعَاوِيَةَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرٌ وَأَفْضَلُ مِنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ.

(البدایۃ والنہایۃ: ج 8 ص 148)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت امیر معاویہ کے ناک کے نتھنوں میں جو گرد و غبار پڑا ہے وہ عمر بن عبد العزیز سے بہتر اور افضل ہے۔ بعض لوگوں کو دھوکہ لگتا ہے صحابی کے بعض اعمال کی وجہ سے کہ فلاں

موقع پر فلاں جرم ہو گیا، فلاں گناہ ہو گیا، فلاں موقع پر یہ ہو گیا وہ ہو گیا لیکن یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ ان کو جو یہ مقام و مرتبہ ملا ہے وہ نبوت کی صحبت اور ایمان کی وجہ سے ملا ہے، تو صحابی کی لیے شرط پیغمبر علیہ السلام کی صحبت ہے، اعمال شرط نہیں ہیں لیکن تابعی کے لیے یہ شرائط ہیں:

نمبر 1: ایمان بھی ہو۔

نمبر 2: صحابی کی صحبت بھی ہو۔

نمبر 3: صحابی کی اتباع بھی کرے۔

یہ میرے جملے سمجھنا! ”صحابی“ صحبت سے ہے اور ”تابعی“ اتباع سے ہے، معلوم ہوا صحابی کے لیے دو شرطیں ہیں؛ ایک ایمان اور دوسری پیغمبر کی صحبت، اور تابعی کے لیے تین شرطیں ہیں؛ ایک ایمان، دوسری صحابی کی صحبت اور تیسری اعمالِ حسنہ، تقویٰ اور صحابی کے نقش قدم پر چلنا۔

صحابی کی شان:

اگر ایک آدمی کو ایمان ملے، پیغمبر کی صحبت بھی ملے لیکن اعمال اچھے نہ ہوں وہ تب بھی صحابی ہے اور امت کے سارے ولیوں سے اعلیٰ ہے اور اگر ایمان ملے، پیغمبر کے صحابی کی صحبت بھی ملے لیکن اعمال اچھے نہ ہوں تو یہ تابعی نہیں ہے، تابعی کے لیے ”اتباع“ یعنی اچھے اعمال کا ہونا شرط ہے۔ اگر یہ بات سمجھ آگئی تو اس سے ایک مسئلہ حل ہوا۔ اگر آج یزید کے بارے میں کہیں کہ یہ اچھا نہیں تھا تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ یزید تو تابعی تھا، آپ نے تابعی پر تنقید کی ہے۔

ہم نے کہا: وہ تابعی کیوں ہے؟ کہتے ہیں کہ اس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، ایمان والا تھا، صحابی کی صحبت میں بیٹھا ہے تو تابعی ہوا۔ ہم نے کہا: صحابی کے لیے اعمال شرط نہیں ہیں لیکن تابعی کے لیے اعمال شرط ہیں، یزید

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بھی ہے، ایمان بھی تھا، صحابی کی صحبت بھی ہے لیکن اعمال اچھے نہیں تھے اس لیے یزید کو تابعین میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، وہ تابعی تب ہو گا جب اعمال صحابی والے ہوں گے، یہ نہیں کہ صحابی کا قاتل بھی ہو اور تابعی بھی ہو، قتل پہ خوش بھی ہو اور تابعی بھی ہو، امت کے افراد قتل بھی کرائے اور تابعی بھی ہو، ایسا شخص تابعی ہر گز نہیں ہو سکتا۔

صحابہ معیار ہیں:

میں نے عرض کیا کہ شریعت کی بنیاد دو چیزیں ہیں:

نمبر 1 عقائد، نمبر 2: اعمال

صحابہ عقائد میں بھی حجت ہیں، صحابہ اعمال میں بھی حجت ہیں، صحابہ عقائد میں بھی معیار ہیں، صحابہ اعمال میں بھی معیار ہیں، نہ صحابہ سے عقیدہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ اعمال آگے نکل سکتے ہیں، کوئی بندہ جتنا بھی نیک ہو اعمال میں اضافہ کر لے اور قیامت کو خدا کے دربار میں آجائے کہ میں نے بہت نیک کام کیے ہیں، میں نے ظہر کی چار کے بجائے پانچ رکعتیں بنادی ہیں، میں نے مغرب کی تین کے بجائے چار رکعتیں بنادی ہیں، فجر کی دو کے بجائے تین بنادی ہیں تو اللہ ہر گز اس کو قبول نہیں کریں گے، کیوں کہ صحابہ معیار ہیں، ہماری زبان میں معیار کا معنی ”ناپ“ سمجھ لیں۔ آپ نے اگر عید کے موقع پہ درزی کو اچھا کپڑا دیا، ساتھ آپ نے اپنا ناپ بھی اسے دیا، آپ نے کہا: سوٹ کب ملے گا؟ اس نے کہا: عید کے دن صبح پانچ بجے آپ سوٹ لے لیں، عید کی نماز سے قبل آپ کو سوٹ مل جائے گا، آپ نے کپڑا وہ دیا جو ایک ہزار روپے کا میٹر والا تھا، جب آپ نے کپڑا پہنا تو آپ نے دیکھا کہ قمیص کا دامن دو فٹ لمبا ہے اور آپ کے بازو ایک بالشت لمبے ہیں، آپ کی شلواری ایک فٹ لمبی ہے، آپ مجھے بتاؤ! آپ اس درزی کو دعائیں دو گے یا گالیاں دو گے؟

اگر وہ درزی کہے: ارے میاں کیا کرتے ہو! میں نے ہزار روپے میٹر کا کپڑا دو میٹر اور لگایا ہے، لیکن آپ کہیں گے: تو نے دو میٹر اور تو لگایا ہے لیکن میری قمیص کا حلیہ بگاڑ دیا ہے اس لیے کہ جو ناپ میں نے دیا تھا مجھے اس سے بڑی قمیص بھی نہیں چاہیے اس سے چھوٹی بھی نہیں چاہیے، مجھے بتائیں ایک قمیص میں ایک گز کپڑا بڑھ جائے تو کوئی اس کو قبول نہیں کرتا اور اللہ نے صحابہ کو معیار بنایا، ناپ بنا کے دیا ہے اب کوئی عقیدہ آگے نکل جائے تو خدا قبول نہیں کرے گا، کوئی عمل بڑھا کر پیش کر دیا جائے تو اللہ ہر گز قبول نہیں کرے گا۔

صحابہ عقیدے میں بھی معیار ہیں، صحابہ اعمال میں بھی معیار ہیں، اللہ نے ”فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا“ کہہ کر ان کو ایمان میں معیار بنایا ہے اور ”وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ“ فرما کر ان کو اعمال میں معیار بنایا ہے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

تو اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی رہنمائی جنہوں نے کرنی ہیں ان میں ایک طبقہ ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم“ کا ہے۔

دوسری بات: نبی نمائندہ خدا اور صحابی نمائندہ مصطفیٰ

پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیثیت سمجھیں۔ میں اسی جہت پہ بات کرنے لگا ہوں کہ صحابی کی آئینی حیثیت کیا ہے؟ اللہ رب العزت نے دین پیغمبر کو دیا، پیغمبر نے صحابہ کو دیا، اب ہم یہ کہیں گے کہ اگر کسی صحابی نے دین لینا ہو تو نبی سے لیتا ہے اور بعد والے نے دین لینا ہو تو پیغمبر کے صحابی سے لیتا ہے۔ میں اب دو لفظ عرض کرنے لگا ہوں۔ ایک ہے ”رسول خدا“ اور ایک ہے ”رسول مصطفیٰ“، نبی کو ”نمائندہ خدا“ کہتے ہیں اور صحابی کو ”نمائندہ مصطفیٰ“ کہتے ہیں، اللہ کا کلام نبی دے گا اور نبی کا کلام صحابی دے گا، کلام اللہ کا معنی نبی سمجھائے گا اور کلام مصطفیٰ کا معنی صحابی

سمجھائے گا۔

اگر کوئی بندہ قرآن پڑھے اور معنی نبی سے نہ لے بلکہ اپنا پیش کرے تو آپ سمجھیں دال میں کالا کالا ہے اور اگر کوئی بندہ حدیث پیش کرے اور معنی صحابی سے پیش کرنے کے بجائے اپنا پیش کرے تو سمجھیں دال میں کالا کالا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟! میں نے کہا: دو لفظ ذہن میں رکھیں:

(1) رسولِ خدا، (2) رسولِ مصطفیٰ

نبی نمائندہ خدا ہے اور صحابی نمائندہ مصطفیٰ ہے، نمائندہ خدا یہ رسولِ خدا ہے اور نمائندہ مصطفیٰ یہ صحابی رسول ہے۔ اس پہ میں قرآن بھی پیش کرتا ہوں اور حدیث مبارک بھی پیش کرتا ہوں۔ قرآن کریم آپ نے پڑھا اس میں بیعت کا تذکرہ ہے۔

واقعہ یہ ہوا کہ حدیبیہ کے موقع پہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ہاتھ پہ بیعت کرو میں نے عثمان کا بدلہ لینا ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لینا شروع فرمائی، چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہاتھ رکھ کے بیعت کی ہے، اللہ کے نبی نے اپنا ہاتھ لیا اور فرمایا: ہذا ید عثمان۔ یہ میرا ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے۔ پھر اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر فرمایا: ہذا ید عثمان۔ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔

(صحیح البخاری: ج 1 ص 523 باب مناقب عثمان)

یہ واقعہ حدیث میں ہے قرآن میں نہیں ہے، اب قرآن کریم کو پڑھو

قرآن کہتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ. (سورۃ الفتح: 10)

اے پیغمبر! جنہوں نے آپ کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیعت کی ہے یہ بیعت

خدا کی ہے۔

اللہ نے نبی کی بیعت کو خدا کی بیعت فرمایا ہے اور اللہ کے نبی نے فرمایا: یہ میرا ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ اللہ نے نبی کی بیعت کو اپنی بیعت فرمایا، پیغمبر نے اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ فرمایا، اس کی وجہ جامع ترمذی کی روایت میں موجود ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ.

(جامع الترمذی: حدیث نمبر 3702)

لفظ دیکھیں ”كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ“ فرمانے لگے: عثمان بن عفان مکہ مکرمہ میں رسول خدا کے رسول ہیں، اس کا مطلب یہ کہ اللہ کے نبی حدیبیہ میں رسول خدا ہیں اور عثمان مکہ میں رسول مصطفیٰ ہیں، حدیبیہ میں نبی خدا کا پیغام دے رہے ہیں، مکہ میں عثمان نبی کا پیغام دے رہے ہیں، نبی نمائندہ خدا ہے، عثمان نمائندہ مصطفیٰ ہے، خدا نے نبی کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دے کر بتایا کہ یہ نمائندہ میرا ہے، نبی نے اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ بتا کہ سمجھایا کہ عثمان نمائندہ میرا ہے، نبی نمائندہ خدا کا ہے صحابی نمائندہ مصطفیٰ ہے، کلام اللہ نبی سے ملتا ہے اور کلام مصطفیٰ صحابی سے ملتا ہے، کلام اللہ کا معنی نبی دیتا ہے اور کلام مصطفیٰ کا معنی پیغمبر کا صحابی دیتا ہے۔

کلام اللہ کی مراد رسول اللہ سے:

میں بتا رہا تھا کہ صحابہ کرام کی حیثیت کو سمجھیں کہ یہ بنیاد کیسے ہیں؟ نبی نمائندہ خدا کا ہے صحابی نمائندہ مصطفیٰ ہے، ایک بات ذہن نشین فرمائیں کہ یہ فتنے دنیا میں پیدا کہاں سے ہوتے ہیں؟ ایک بات آپ بھی کہتے ہیں کہ مولانا صاحب! آپ لوگ بھی قرآن پڑھتے ہیں وہ لوگ بھی قرآن پڑھتے ہیں، آپ لوگ بھی حدیث پڑھتے ہیں وہ لوگ بھی حدیث پڑھتے ہیں لیکن عوام الجھن کا شکار ہوتے ہیں کہ پھر اختلاف کیوں ہے؟!

اس لیے یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اختلاف قرآن میں نہیں ہے، اختلاف حدیث میں نہیں ہے، اختلاف اگر ہے تو قرآن کا معنی بیان کرنے میں ہے، اختلاف ہے تو حدیث کا معنی بیان کرنے میں ہے۔

عقیدہ ختم نبوت:

میں ایک مثال دیتا ہوں تاکہ بات آپ کو سمجھ آئے، قرآن کریم میں آیت ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ.

(سورۃ الاحزاب: 40)

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ کسی مرزائی قادیانی کے پاس چلے جاؤ وہ بھی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ کہیں گے پھر اس میں الجھن اور جھگڑا کیا ہے؟ اختلاف کیا ہے؟

جب اسمبلی میں کیس گیا اور مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت پہ جو بات کی ہے وہ بڑی سننے والی ہے، مفتی صاحب نے مرزانا صر سے پوچھا: تم مرزے قادیانی کو نبی مانتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا مانتے ہو؟ اس نے کہا کہ خاتم النبیین، مفتی صاحب نے کہا کہ ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ اچھا تم مرزائی لوگ کہتے ہو کہ حضور خاتم النبیین ہیں لیکن تم نے یہ بات بھی کی ہے کہ بعد میں نبی آئیں گے اس پر تمہاری دلیل کیا ہے؟ مرزانا صر نے کہا: قرآن کی یہ آیت ہماری دلیل ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

پھر اس نے مفتی صاحب سے کہا: آپ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

آخری نبی ہیں، آپ کی دلیل کیا ہے؟ مفتی صاحب نے فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

اب لوگ بڑے حیران ہیں کہ ایک کہتا ہے کہ نبوت ختم ہو گئی تو وہ بھی یہ آیت پڑھتا ہے، دوسرا کہتا ہے کہ نبوت جاری ہے وہ بھی یہ آیت پڑھتا ہے۔ اب مرزائیوں کی دلیل سمجھنا! مرزائی کہتے ہیں: ”خاتم النبیین“ عربی زبان کا لفظ ہے، ”خاتمہ“ کا معنی ہے ”مہر“ اور ”نبیین“ جمع ہے نبی کی، تو خاتم النبیین کا معنی آخری نبی نہیں ہے بلکہ خاتم النبیین کا معنی ہے ”نبیوں کی مہر“، اس کا معنی آخری نبی نہیں ہے، اس کا معنی نبیوں کی مہر ہے، جس پر مہر لگتی جائے گی وہ نبی بنتا جائے گا۔

اب عام بندہ پریشان تو ہو گا، قادیانی عربی زبان کی کتاب کھول کر رکھ دے گا کہ یہ دیکھو ”خاتم“ کا معنی مہر ہے، مفتی صاحب فرمانے لگے: یہ اللہ کا قرآن مرزے پہ اترے؟ وہ کہنے لگا: نہیں، پوچھا: مجھ پہ اترے؟ کہنے لگا: نہیں، مفتی صاحب نے فرمایا: میں کہتا ہوں خاتم النبیین کا معنی ہے ”آخری نبی“ اور تو کہتا ہے: خاتم النبیین کا معنی ہے ”نبیوں کی مہر“ تو جس نبی پہ قرآن اترے اسی نبی سے معنی پوچھ لیتے ہیں، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ”خاتم النبیین“ کا معنی فرمائیں ”نبیوں کی مہر“ تو بات تیری ٹھیک ہے اور اگر فرمائیں ”آخری نبی“ تو بات میری ٹھیک ہے۔

مفتی صاحب فرمانے لگے: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معنی بیان کرتا ہوں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، لَا نَبِيَّ بَعْدِي**۔

(المعجم الکبیر: حدیث نمبر 23 قطعۃ من المنقود)

میں خاتم النبیین ہوں اور اس کا معنی ”لا نبی بعدی“ ہے یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

تو حدیث پڑھ دے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ ”میں خاتم النبیین ہوں اور اس کا معنی کہ میں مہر لگاؤں تو نبی پیدا ہو جاتا ہے۔“ اب اس کا جواب اس مرزائی کے پاس نہیں تھا، کیوں کہ قرآن مرزے نے پڑھا تھا لیکن معنی اپنا بیان

کیا، مفتی صاحب نے قرآن پڑھا لیکن معنی اپنا پیش نہیں کیا بلکہ معنی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ہے۔

قرآن میں عذاب قبر کا ذکر:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ فتنے اس سے پیدا ہوتے ہیں کہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور معنی اپنا بیان کرتے ہیں، ہم کہتے ہیں جس نبی نے قرآن دیا اسی نبی سے معنی بھی لو۔ قادر پور راواں یہ ملتان کے قریب ایک قصبہ ہے میرا اس جگہ ایک بیان تھا، وہاں ریسونڈ کی ایک کی شاخ ہے عید گاہ، وہاں سے مجھے ایک استاذ کا فون آیا مولانا ریاض صاحب کا جو وہاں کے صدر مدرس ہیں، مجھے فرمانے لگے: جب آؤ تو کچھ وقت ہمارے لیے بھی لے کر آنا ایک بندے کی آپ سے بات کرانی ہے۔ میں شام کو چلا گیا، رات کو وہاں تلنبے عید گاہ میں ٹھہرا، صبح دس بجے اس آدمی کے پاس ہم پہنچ گئے، اب وہ آدمی فوت ہو گیا ہے، اپنے علاقے کا سیٹھ اور کئی مربعوں کا مالک تھا، عمر کا بوڑھا تھا۔

میں نے مولانا ریاض صاحب سے کہا: مولانا بات کیا ہے؟ مولانا فرمانے لگے: اس کے پاس مولانا طارق جمیل صاحب بھی آئے تھے، اس سے بات بھی کی تھی لیکن اس بوڑھے نے حجت ایسی شروع کر دی کہ مولانا کے لیے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ مولانا عالم تو ہیں لیکن عالم ہونا اور بات ہے، مناظر ہونا اور بات ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی بندہ بڑا عالم ہو اور بڑا مناظر بھی ہو، عالم ہونا اور بات ہے اور مناظرہ ایک فن ہے۔

میں نے کہا: وہ کہتا کیا تھا؟ مولانا فرمانے لگے: یہ بندہ کہتا تھا کہ میں عذاب قبر کو نہیں مانتا، اگر مجھے منوانا ہے تو قرآن سے منواؤ، اب اس نے یہ مطالبہ کیا تو مولانا طارق جمیل صاحب نے فرمایا کہ دیکھو! قرآن میں حکم ہے نماز پڑھو! لیکن نماز کی رکعتیں قرآن میں نہیں ہیں، قرآن نے فرمایا: روزے رکھو لیکن رمضان کے روزے

کے مسئلے قرآن میں نہیں ہیں، قرآن نے فرمایا: حج کرو لیکن حج کے مسائل قرآن میں نہیں ہیں ان کے لیے حدیث میں جانا پڑتا ہے تو جب تک حدیث میں نہ جائیں قرآن پورا سمجھ نہیں آتا لیکن اس بابا جی کے دماغ میں ایک بات بٹھائی گئی تھی کہ العیاذ باللہ احادیث جھوٹ کا پلندہ ہیں، میں حدیثوں کو نہیں مانتا، بس مجھے قرآن سے ثابت کر دو گے تو مانوں گا، نہیں ثابت کرو گے تو نہیں مانوں گا۔ مجھے سمجھ میں آ گیا کہ اس بابا جی کا مسئلہ کیا ہے؟!

ہم صبح دس بجے پہنچے تو بات شروع ہونے لگی تو میں نے کہا: بابا جی اگر میں قرآن میں عذابِ قبر دکھا دوں تو آپ مان لیں گے؟ اس نے کہا: جی مان لوں گا۔ میں نے قرآن کی آیت پڑھی: يُعَذِّبُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ۔

(سورۃ ابراہیم: 27)

اس کا ترجمہ میں نے یوں کیا: ”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو کلمہ ایمان کی برکت سے ثابت قدم رکھتے ہیں دنیا میں اور قبر میں۔“ مجھے پتہ تھا کہ اس نے اعتراض کرنا ہے۔ میں نے کہا: ”دنیا میں اور قبر میں“۔ بابا اٹھا اور اس نے کہا: جی مولانا صاحب! آپ نے ترجمہ غلط کر دیا ہے۔ میں نے کہا: کیسے غلط کیا ہے؟ اس نے کہا: قرآن کریم میں ہے:

يُعَذِّبُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ۔

کہ اللہ ثابت قدم رکھتے ہیں دنیا میں اور آخرت میں، آپ نے کہا: دنیا میں اور قبر میں، آپ نے ترجمہ غلط کیا ہے۔ اس کا اعتراض سمجھ میں آ گیا، بظاہر اس کا سوال بڑا معقول تھا۔

میں چاہتا تھا کہ وہ اعتراض کرے تاکہ میں اس کو جواب دوں۔ میں نے کہا:

بابا جی مجھے بتائیں کہ یہ دنیا کب تک ہے؟ کہتا ہے: جب تک آدمی زندہ ہے، میں نے کہا: جب مر جائے تو پھر دنیا ہے؟ کہتا ہے: نہیں، میں نے کہا: مرنے کے بعد پھر کیا ہے؟... آخرت شروع ہوگئی نا، موت پر تو ہوگئی دنیا ختم، اب دنیا کے بعد آخرت شروع ہوگئی، اب آخرت کا ایک حصہ موت لے کر حشر تک، دوسرا حصہ حشر سے حساب والا، تیسرا حصہ جنت اور جہنم والا۔

میں نے کہا: یہ قرآن کی آیت آپ پہ اتری ہے؟ مجھے کہتا ہے: نہیں، میں نے کہا: مجھ پہ اتری ہے؟ مجھے کہتا ہے: نہیں، میں نے کہا: اب ہم نے مسئلہ سمجھنا ہے کہ قرآن نے کہا: مومن کو کلمہ ایمان کی برکت سے دنیا میں بھی ثابت قدم رکھیں گے اور آخرت میں بھی ثابت قدم رکھیں گے۔ اب آخرت کے تین حصے ہو گئے؛ نمبر ایک قبر والا حصہ، نمبر دو حشر والا حصہ، نمبر تین جنت اور جہنم والا، یہاں پہ کون سا حصہ مراد ہے؟ نہ معنی میں کر سکتا ہوں نہ معنی آپ کر سکتے ہیں، یہ معنی وہی کرے گا جس پہ قرآن اتر ا ہے، اللہ کے نبی سے آپ بتادیں کہ یہاں ”آخرت“ کا معنی ”حشر“ ہے میں مان لیتا ہوں اور میں بتا دیتا ہوں کہ ”آخرت“ سے مراد ”قبر“ ہے تو آپ مان لیں۔

اب دیکھیں میں نے حدیث کا لفظ بیان نہیں کیا کیونکہ اس کو لفظ ”حدیث“ سے چڑھتی نالیکن میں اس کو گھما کر وہاں لے آیا جہاں تک ہم نے بابا جی کو لانا تھا۔ میں نے کہا: دیکھو! صحابی رسول حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور سوال کرتے ہیں: ”مَنْ دُبُّكَ؟ مَا دِينُكَ؟ مَنْ نَبِيُّكَ؟“، تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ یہ جواب دیتا ہے: ”رَبِّيَ اللَّهُ، وَدِينِي الْإِسْلَامُ، وَنَبِيِّي“

مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ کہ میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے، میرا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ (مسند احمد: حدیث نمبر 18614) جب یہ تینوں سوالوں کے جواب دے دیتا ہے تو ایک فرشتہ آسمان سے آواز دیتا ہے: فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ صَدَقَ عَبْدِي. کہ اللہ فرما رہے ہیں کہ میرے بندے نے درست جواب دیے ہیں، فَأَقْرِ شَوْهَ مِنَ الْجَنَّةِ. اس کو جنت کا کچھونا دو، وَالْبِسْ شَوْهَ مِنَ الْجَنَّةِ. اس کو جنت کا لباس دو، وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ. جنت کا دروازہ اس کے لیے کھول دو، فَيَأْتِيهِ مِنْ طَيِّبِهَا وَرَوْحِهَا. جنت کی خوشبو اس قبر میں پہنچ جاتی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر 12185 وغیرہ)

اور فرشتہ کہتا ہے: نَمَّ كَنُومَةَ الْعَرُوسِ.

(جامع الترمذی: حدیث نمبر 1071)

ایسے سو جیسے پہلی رات کی دلہن سوتی ہے۔ پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَذَلِكَ قَوْلُ اللَّهِ ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾.

(المستدرک الہندی: ج 1 ص 379)

کہ یہ جو اللہ نے فرمایا کلمہ ایمان کی وجہ سے مؤمن کو آخرت میں ثابت قدم رکھتے ہیں، اس آخرت سے مراد یہ جگہ یعنی ”قبر“ ہے۔ میں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کا معنی ”قبر“ کیا ہے۔ آپ بتاؤ قرآن میں آگیا کہ نہیں؟ (آگیا۔ سامعین) میں نے اپنی پوری بات میں حدیث کا نام نہیں لیا، اگر میں حدیث کا نام لیتا تو اس نے اٹھ جانا تھا۔ تو بسا اوقات بندے کو اس طرح سمجھانا پڑتا ہے۔

تیسری بات: کلام رسول کی مراد صحابی رسول سے:

میں بتا رہا تھا کہ نبی نمائندہ خدا ہے اور صحابی نمائندہ مصطفیٰ ہے، کلام اللہ

کے الفاظ بھی نبی سے معنی بھی نبی سے، حدیث پاک کے الفاظ بھی صحابی سے اور معنی بھی صحابی سے۔

میں سیالکوٹ میں ایک جگہ بیان کے لیے گیا، حجرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نوجوان آگیا، مجھے کہنے لگا: مولانا صاحب! آپ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں پڑھتے۔ مجھے کہتا ہے کہ جی پڑھنی چاہیے۔ میں نے کہا: دلیل دے دیں میں پڑھ لیتا ہوں، ہمیں دلیل سے کوئی لڑائی تو نہیں ہے۔ مجھے کہنے لگا: صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب. کہ جو بندہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

میں نے کہا: یہ حدیث اللہ کے نبی سے آپ نے سنی ہے؟ کہتا ہے: نہیں، میں نے کہا: میں نے سنی ہے؟ کہتا ہے: نہیں، میں نے کہا: کس نے سنی ہے؟ کہتا ہے: صحابی نے سنی ہے۔ میں نے کہا: معنی تو بھی نہ کر، معنی میں بھی نہ کروں جب حدیث صحابی نے نقل کی ہے تو معنی بھی صحابی سے لے لیتے ہیں۔ کہنے لگا: جی ٹھیک ہے۔

میں نے کہا: یہ صحیح بخاری ہے یہ جامع ترمذی ہے، امام بخاری استاد ہیں امام ترمذی شاگرد ہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استاد ہیں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ شاگرد ہیں، یہی حدیث بخاری والی (یعنی: لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب) امام ترمذی نے جامع ترمذی میں نقل کی ہے اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے معنی نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے پہلے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے: مَنْ صَلَّى رُكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ

جو بندہ نماز میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوتی، ہاں اگر امام کے پیچھے ہو اور سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو نماز ہو جاتی ہے۔

اب سوال یہ تھا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو بندہ سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بندہ اگر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو نماز ہو جاتی ہے۔ جب حدیث پر یہ سوال ہوا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا معنی بیان کیا کہ یہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ“ کہ جو بندہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی، فرمایا: ”أَنْ هَذَا إِذَا كَانَ وَحْدَهُ“ یہ حدیث مقتدی کے لیے نہیں ہے، یہ حدیث اس کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو۔

(جامع الترمذی: تحت حدیث نمبر 312)

میں نے کہا: دیکھو! جب لفظ صحابی سے لیے ہیں تو معنی بھی صحابی سے لونا! نبی نمائندہ خدا ہے اور صحابی نمائندہ مصطفیٰ ہے، میں نے کہا میں کئی جہتوں سے سمجھا رہا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آئینی حیثیت کیا ہے؟

چوتھی بات: دین صحابہ ہی دین محمد ہے:

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوِ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ. میری امت پہ بالکل وہی حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پہ آئے تھے، حَتَّىٰ إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عِلَاقِيَّةً لَّكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ. حتیٰ کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا بدکردار گزرا جس نے اپنی ماں سے منہ کالا کیا ہے تو میری امت میں بھی ایسا بندہ آئے گا جو ماں سے منہ کالا کرے گا۔ (یعنی اتنے اہتر حالات پیدا ہو جائیں گے، پھر فرمایا) وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً. بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ وَتَفَرَّقَتْ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً. میری امت میں تہتر فرقے ہو جائیں گے

كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً.

یہ سارے فرقے جہنم میں جائیں گے صرف ایک جنت میں جائے گا۔
 اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مثالیں دی ہیں؛ ایک ماں سے منہ کالا کرنا یہ مثال عمل کی ہے اور دوسری فرقے بن جانا یہ مثال عقیدے کی ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جنت میں جانے والا کون سا طبقہ ہوگا؟ فرمایا: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي. جنت میں جانے والا وہ ہوگا جو دین مجھ سے لے اور معنی میرے صحابی سے لے۔
 (جامع الترمذی: حدیث نمبر 2641)

دین میرا ہو گا اور معنی میرے صحابی کا ہو گا تو یہ فرقہ جنتی ہے۔
 اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“ یعنی ”دین“ کیوں فرمایا؟ میں اس پر دو آیتیں قرآن سے پڑھنے لگا ہوں ذرا دونوں کو سمجھنا! قرآن کریم میں ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ○ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ○ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ○ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ ○ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ○ لَكُمْ دِينُكُمْ ○ وَلِيَ دِينِ ○

”دین“ اصل میں ”دینی“ ہے اور یہاں ”می“ عربی گرامر کی رو سے گری ہے یعنی ”میرا دین“۔ اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ آپ اعلان فرمائیں: ”لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ“ اے مشرکین مکہ! تمہارا دین تمہارا لیے اور میرا دین میرے لیے۔
 اس آیت میں اللہ نے دین کی نسبت مصطفیٰ کی طرف کی ہے اور جب آپ مدنی سورۃ کو دیکھیں، اس میں ہے: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ.

(سورۃ المائدہ: 3)

یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ”آج

کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔“

یہاں نکتہ سمجھنا! مکہ میں شروع شروع میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ“ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین، یہاں دین کی نسبت نبی کی طرف ہے اور جب آخری زمانے میں آیت اتری تو فرمایا: ”الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ“ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، تو شروع میں دین کی نسبت ہے نبی کی طرف اور آخری دور میں دین کی نسبت کی ہے صحابہ کی طرف۔

اب اس میں حکمت کیا ہے کہ پہلے دین کی نسبت نبی کی طرف اور اب نسبت صحابہ کی طرف، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کو فرمایا: جو دین خدا نے مجھے دیا میں نے تم تک پہنچا دیا ہے؟ صحابہ نے تین لفظ بولے: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَذَيْتَ وَنَصَحْتَ۔

ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے پہنچا دیا ہے، پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے اور نصیحت و خیر خواہی کے ساتھ پہنچایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ۔ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ۔ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ۔ اللّٰهُمَّ اَشْهَدُ۔ اللّٰہ تو گواہ بن جا کہ میں نے ان کو تیرا دین پہنچا دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فليبلغ منكم الشاهد الغائب۔ (سنن ابی داؤد: حدیث نمبر 1907، کنز العمال: ج 5 ص 129 حدیث نمبر 12354)

تم جو موجود ہو، میرا دین تم نے لینا ہے اور آگے دین دینا ہے۔

توجہ رکھنا! اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوری دنیا کے نبی ہیں، حضور پوری دنیا میں خود نہیں جارہے، نبی کے صحابہ جارہے تھے، فرمایا: تم نے مجھ سے دین لینا ہے اور امت کو دینا ہے۔ اب امت نبی کو دیکھے گی یا نبی کے صحابہ کو دیکھے گی؟ (نبی کے

صحابہ کو۔ سامعین) جب حضور مکہ میں تھے تو لوگوں نے صحابہ کو دیکھنا تھا یا نبی کو دیکھنا تھا؟ (نبی کو دیکھنا تھا۔ سامعین) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے تو لوگوں نے حضور کو دیکھنا تھا اور جب نبی دنیا سے چلے گئے اب صحابہ کو دیکھنا ہے۔ تو خدا نے شروع میں دین کو ”دین محمد“ کہا اور آخری دور میں دین کو ”دین صحابہ“ کہا یہ بتانے کے لیے کہ دین محمد وہی ہو گا جو صحابہ سے ملے گا، صحابہ کو کراس (Cross) کر کے لوگ تو دین مصطفیٰ مل سکتا ہی نہیں۔ تو شروع دور میں ”دین محمد“ فرمایا اور آخری دور میں ”دین صحابہ“ فرمایا۔ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیثیت کو سمجھیں۔

صحابہ کا پیغام کہ ہماری طرح بن جاؤ:

میں کبھی ایک جملہ کہا کرتا ہوں، آپ حضرات میں سے بہت سارے ساتھی تبلیغ جماعت کے بیٹھے ہوئے ہیں، وقت بھی لگاتے ہیں، اللہ قبول فرمائے، جب آپ تبلیغ میں جائیں تو آپ ایک جملہ کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جب کسی علاقے میں جاتے تھے وہ فرماتے تھے ”کُونُوا مِثْلَنَا“ ہماری طرح ہو جاؤ! صحابہ یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہمارے نبی کی طرح ہو جاؤ، اگر صحابہ یہ فرماتے کہ ہمارے نبی کی طرح ہو جاؤ تو لوگ پوچھتے نبی کی طرح کیسے ہوں؟ اب نبی کو تو دکھنا نہیں سکتے تھے نا، اب دکھانا کس کو تھا؟ اپنے آپ کو دکھانا تھا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امامہ کیسے باندھا؟ یہ صحابی کو دیکھیں گے تو سمجھ میں آئے گا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کیسی تھی؟ یہ صحابی کو دیکھیں گے تو سمجھ میں آئے گا، اللہ کے نبی کی نماز کیسی تھی؟ یہ صحابہ کو دیکھیں تو سمجھ آئے گا، نبی کا قرآن پڑھنا کیسا تھا؟ صحابہ کو دیکھیں گے تو سمجھ آئے گا!

اس لیے صحابہ یہ نہیں فرماتے تھے کہ ”کُونُوا مِثْلَ نَبِيِّنَا“ کہ ہمارے نبی

کی طرح ہو جاؤ بلکہ فرماتے: ”کُونُوا مِثْلَنَا“ ہم نبی کی طرح کریں تم ہماری طرح کرو، ہم نے نماز نبی کی طرح پڑھی ہے تم نماز ہماری طرح پڑھو، تو دنیا میں دین کو لے کر پیغمبر کے صحابہ گئے ہیں۔

پانچویں بات؛ حاملین قرآن و سنت صحابہ:

ایک شخص کہنے لگا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمَا بِهِمَا كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهِ۔

میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں، اگر ان دو کو تھام کے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ ایک قرآن اور دوسری میری سنت۔

وہ بندہ کہنے لگا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں فرمائی ہیں؛ ایک قرآن کو لے لو اور ایک سنت کو لے لو تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے، آپ کہتے ہو کہ صحابہ کو لے لو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔

میں نے کہا: بات سمجھو! کتاب اللہ بھی نور ہے اور سنت مصطفیٰ بھی نور ہے اور اگر آپ نے جنت میں جانا ہے تو راستے میں ظلمتیں ہی ظلمتیں ہیں، جنت میں تب جائیں گے جب صراطِ مستقیم پہ چلیں اور جنت میں تب جائیں جب آس پاس نور اور روشنی موجود ہو، اب راستہ دکھانے کے لیے ہمیں دو نور چاہئیں؛ ایک کا نام کتاب اللہ اور ایک کا نام سنت، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ نور اور روشنی خود بخود نہیں چلتی، اس نور کو چلانے کے لیے بھی تو کوئی چاہیے نا!!

آپ رات کو یہاں سے موٹر وے پہ چڑھے ہیں اور اسلام آباد جانے لگے ہیں لیکن جائیں گے تب جب آپ کی گاڑی پہ دو ہیڈ لائٹیں لگی ہوں، ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب، اگر یہ لائٹیں جلی نہ ہوں بجھی ہوں تو بھی راستہ نظر نہیں آئے گا اور اگر یہ لائٹیں یہاں پہ لگی نہ ہوں تو آگے چلیں گی نہیں، معلوم ہوا کہ راستہ

نظر تب آتا ہے جب لائٹ جلے بھی اور راستہ نظر تب آتا ہے جب لائٹ چلے بھی، تو ہم نے لائٹ کو جلانا بھی ہے اور لائٹ کو چلانا بھی ہے، یہ ”کتاب اللہ“ ایک نور ہے ”سنت مصطفیٰ“ ایک نور ہے، ”کتاب اللہ“ ایک لائٹ ہے اور ”سنت مصطفیٰ“ دوسری لائٹ ہے اور جس گاڑی پہ لگ کے یہ لائٹ چلی ہیں اس گاڑی کا نام ”اصحابِ مصطفیٰ“ ہے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

قرآن لائٹ ہے لیکن خود نہیں سرگودھا پہنچا، پیغمبر کی سنت لائٹ ہے لیکن خود نہیں پہنچی، جو لے کر آئے ہیں وہ پیغمبر کے صحابہ ہیں، ادھر کتاب اللہ کو لیا دنیا میں پھیلا دیا اور ادھر نبی کی سنت کو لیا اور دنیا میں پھیلا دیا۔ میں بتا رہا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیثیت کیا ہے!؟

چھٹی بات؛ نبی معصوم صحابی محفوظ:

ہمارا نظریہ ہے کہ پیغمبر کی ذات معصوم ہے، اللہ اپنے نبی کو گناہ سے بچاتے ہیں اور صحابہ کے بارے میں یہ نظریہ قطعاً نہیں ہے کہ صحابی معصوم ہے، ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی معصوم ہے اور صحابی محفوظ ہے۔ معصوم کا معنی یہ ہے کہ اللہ اپنے نبی سے گناہ ہونے دیتا نہیں اور محفوظ کا معنی کہ صحابی سے گناہ ہو جاتا ہے لیکن اللہ اس کے نامہ اعمال میں باقی رہنے دیتا نہیں۔

نبی بھی پاک ہے کہ اس سے گناہ ہوا نہیں، صحابی بھی پاک ہے اس سے گناہ ہو جاتا ہے لیکن نامہ اعمال میں باقی رہتا نہیں، ہم نبی کو معصوم مانتے ہیں اور صحابی کو محفوظ مانتے ہیں۔

اب بتاؤ! صحابہ کرام پر تنقید کس بات کی کرو گے؟! اگر گناہ ان سے ہوا تو خدا نے معاف کر دیا، اب میں اور آپ کون ہوتے ہیں بک بک کرنے والے؟ تو نبی معصوم ہے اور صحابی محفوظ ہے۔ نبی اکیلا معصوم ہے، صحابی اکیلا یہ مؤمن ہے، صحابی

اکیلا یہ عادل ہے، صحابی اکیلا یہ حجت ہے، صحابی اکیلا یہ معیار ہے اور جب سارے صحابہ کسی مسئلہ پہ جمع ہو جائیں تو ایسے ہی معصوم ہیں جیسے نبی تنہا معصوم ہے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں! نبی اکیلا معصوم ہے، صحابی اکیلا ہو تو مؤمن ہے، اکیلا ہو تو حجت، اکیلا ہو تو عادل، اکیلا ہو تو معیار اور جب سب صحابہ جمع ہو جائیں تو پیغمبر کی طرح معصوم ہیں، صحابہ جس مسئلے پہ سارے جمع ہو جائیں تو وہ مسئلہ ایسا ہے جیسے نبی نے فرمادیا ہو، اب اس کا رد کرنا پیغمبر کے فیصلے کو رد کر دینا ہے، اس لیے ہم نبی کو معصوم اور صحابی محفوظ کہتے ہیں۔

ساتویں بات؛ صحابہ تنقید سے بالاتر ہیں:

میں ساتویں بات کہنے لگا ہوں: صحابہ تنقید سے بالاتر ہیں۔ تنقید سے بالاتر ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان پر تنقید نہیں ہو سکتی۔ لوگ کہتے ہیں: کیوں؟ میں نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں تنقید کی بنیادیں دو ہیں، تنقید کی بنیاد ”عقیدہ“ یا تنقید کی بنیاد ”عمل“ اگر تنقید کی بنیاد عقیدہ ہو تو عقیدہ غلط ہو جائے وہ صحابی ہے ہی نہیں، توجہ رکھنا! اگر تنقید کی بنیاد عقیدہ ہو تو عقیدہ غلط ہو جائے وہ صحابی ہے ہی نہیں، اور اگر عمل غلط ہو جائے تو ہم نے عمل کی بنیاد پر صحابی مانا ہی نہیں ہے تو بتاؤ! تنقید کریں گے کیسے؟ صحابہ تنقید سے بالاتر ہیں، کیوں کہ تنقید کی وجہ دو ہیں: عقیدہ یا عمل، اگر عقیدہ غلط ہو تو صحابی رہتا ہی نہیں اور اگر عمل غلط ہو تو ہم نے عمل کی بنیاد پہ صحابی مانا ہی نہیں، ہم نے تو صحابی مانا عقیدہ اور صحبتِ نبوت کی وجہ سے، اب تنقید کیوں ہے؟ تو تنقید کی کوئی وجہ بنتی ہی نہیں۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ صحابہ تنقید سے بالاتر ہیں۔

آٹھویں بات؛ صحابہ معیارِ حق ہیں:

صحابہ معیارِ حق ہیں جیسے اعمال ان کے تھے ویسے اعمال ہمارے ہونے چاہئیں۔ ایک بندے نے سوال کیا اور بظاہر اس کا یہ سوال وزنی ہے۔ مجھے کہنے لگا:

مولانا صاحب! صحابہ معیار حق ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ کہنے لگا: جو کام وہ کریں وہی کام ہم کریں؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ کہنے لگا: انہوں نے نیک اعمال بھی کیے انہوں نے گناہ بھی کئے تو معیار حق کیسے ہیں؟ جو کچھ انہوں نے کیا وہی کچھ ہم کریں؟ کیا صحابہ سے گناہ نہیں ہوا؟ میں نے کہا: ہوا ہے۔ کہنے لگا: فلاں جرم نہیں ہوا؟ میں نے کہا: ہوا ہے۔ مجھے کہنے لگا: پھر معیار حق کیسے ہوئے؟

وہ نیک اعمال کریں تو ہم کریں وہ گناہ کریں تو کیا ہم بھی گناہ کریں؟! میں نے کہا: تو معیار حق کا معنی نہیں سمجھا، آپ معیار حق کا معنی سمجھنا! صحابہ معیار حق ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جو نیک اعمال انہوں کیے وہی نیک اعمال ہم کریں، اگر ہم سے گناہ ہو جائے تو پھر دیکھیں کہ جب صحابی سے گناہ ہوا تو گناہ ہونے کے بعد جو کیفیت اس کی تھی وہی کیفیت میری اور تیری ہو۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

بات سمجھ میں آئی؟ (جی ہاں۔ سامعین) جو نیک اعمال انہوں نے کئے وہی اعمال ہم کریں اور اگر گناہ ہو جائے تو پھر گناہ کے بعد جو کیفیت ان کی تھی وہی کیفیت ہماری ہو، اس کا معنی ہے ”معیار حق“۔

نویں بات: صحابی کو گالی دینے والے کا حکم:

صحابہ کی آئینی حیثیت کیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہمارا نظریہ کیا ہونا چاہیے؟

اگر کوئی آدمی پیغمبر کو گالی دے تو یہ آدمی کافر، مرتد اور سزائے موت کا مستحق ہے اور اگر کسی صحابی کو گالی دے تو یہ کافر نہیں یہ فاسق ہے، یہ سزائے موت کا نہیں بلکہ عمر قید کا مستحق ہے، نبی کا معاملہ الگ ہے صحابی کا معاملہ الگ ہے، کبھی لوگ دونوں میں فرق نہیں کر پاتے، ہاں قاضی اگر چاہے تو صحابی کو گالی دینے والے کو تعزیراً قتل کر دے لیکن حد اُ قتل نہیں ہے، ہاں اگر صحابی کو گالی دے اور گالی دینے کو حلال

سمجھ کر گالی دے تو پھر یہ شخص مسلمان نہیں ہے، پھر یہ مرتد ہو گیا اور اگر حرام سمجھے اور پھر دے تو پھر اس آدمی کی سزا کی کیفیت الگ ہے۔

صحابی کو گالی دیتے کیوں ہو؟

میں اسی رمضان میں دبئی میں تھا۔ ایک جگہ گفتگو چل پڑی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں، ایک بندہ کہنے لگا: اگر صحابی کو گالی دیں تو فرق کیا پڑتا ہے؟ العیاذ باللہ۔ میں نے کہا: مجھے یہ بتا کہ گالی دینی کیوں ہے؟ صحابہ نے ہمارا بگاڑا کیا ہے؟ ہمارا نقصان کیا کیا ہے؟ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ صحابہ کو برا بھلا کہتا ہے تو صرف اس وجہ سے کہتا ہے کہ صحابہ کا تعلق پیغمبر کی ذات کے ساتھ ہے اور تو کوئی وجہ نہیں ہے برا بھلا کہنے کی، اگر برا اس لیے کہتا ہے کہ یہ پیغمبر کا صحابی ہے تو یہ گالی دینے والا ایمان والا نہیں ہے، اگر گالی اس وجہ سے دیتا ہے کہ صحابہ نے پیغمبر کا ساتھ دیا ہے تو یہ گالی دینے والا ایمان والا ہر گز نہیں ہے۔

میں نے کہا: فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی عالم کی توہین اس وجہ سے کرے کہ یہ عالم ہے تو یہ توہین کرنے والا مسلمان نہیں رہتا، اس نے عالم کی نہیں بلکہ علم نبوت کی توہین کی ہے، تو اگر کوئی اس وجہ سے گالی دیتا ہے کہ یہ صحابی ہے یعنی صحابیت کی بنیاد پہ گالی دیتا ہے تو ایسے شخص کے ایمان کا خطرہ ہے، اس کو مسلمان سمجھنا بڑا مشکل ہے۔

دسویں بات؛ تعداد انبیاء اور تعداد صحابہ میں مماثلت:

میں دسویں اور آخری بات کہتا ہوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے، میں عرض کر رہا تھا کہ نبی نمائندہ خدا، صحابی نمائندہ مصطفیٰ، آپ کو معلوم ہو گا کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش ہے، یہ تعداد ایک جیسی کیوں ہے؟

ذرا کتہ سمجھنا! اللہ نے اپنے نبی کو اعزاز بخشا ہے کہ میرے مصطفیٰ! یہ تیرا اعزاز ہے کہ جتنے نمائندے میرے اُتنے نمائندے تیرے، ان پہ نمائندگی میری ختم اُن پہ نمائندگی تیری ختم، تیرے بعد اگر کوئی نمائندہ خدا ہونے کا دعویٰ کرے وہ بھی بے ایمان ہے اور اُن کے بعد کوئی نمائندہ مصطفیٰ ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ بھی بے ایمان ہے، حضور آئے ہیں نبوت ختم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گئے ہے صحابیت ختم ہے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین) حضور آئے تو نبوت ختم ہوئی اور حضور گئے تو صحابیت ختم ہوئی، ہم اُن کے بعد کسی کو نبی بھی نہیں مانتے اور ان کے بعد کسی کو صحابی بھی نہیں مانتے۔

کوئی بندہ کہے ”جی میں نبی تو نہیں ہوں لیکن صحابی ہوں“ وہ مسلمان ہے؟ (نہیں۔ سامعین) وہ بے ایمان ہے، کیونکہ وہ صحابی تب بنے گا جب کسی نبی کی صحبت میں بیٹھے گا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے تو وہ بندہ صحابی کیسے بنے گا؟!

میں نے دس باتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں عرض کی ہیں۔ اللہ ہمیں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میری آپ سے گزارش ہے دیکھیں! یہ ہمارا ایمان ہے، اپنے عقائد و نظریات کو سمجھو، ہم نے اپنے پورے اس ایک گھنٹے میں کسی کو برا بھلا کہا ہے؟ (نہیں۔ سامعین) اپنا نظریہ بیان کیا ہے نا؟

میں ہر درس میں یہ بات اس لیے سمجھاتا ہوں کہ بعض لوگ آپ کی ذہن سازی کریں گے کہ مولانا کے درس میں نہ جاؤ بہت سخت ہیں، اب بتائیں میں نے کوئی سخت بات کی ہے؟ (نہیں۔ سامعین) بھائی میں تو سمجھا رہا ہوں کہ ہمارا نظریہ کیا ہے؟ ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ ہمارے نظریے پہ دلائل کیا ہیں؟ اللہ رب العزت ہم سب کی اصلاح فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔

عنوان: امت کے رہنما طبقات
(حصہ سوم: فقہاء عظام)

تاریخ: 4- اکتوبر 2014ء

مقام: جامع مسجد موتی 2 بلاک سرگودھا

امتِ کارِ ہنما طبقہ (فقہاءِ عظام)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْہِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّہْدِیْہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ
وَمَنْ یُّضِلِّہٖ فَلَا هَادِیَ لَہٗ وَنَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْہَدُ اَنَّ
سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ
الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبًا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ
رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَكَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾

(سورۃ الاحزاب: 40)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِی.

(مسند احمد: 22395 عن ثوبان)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَعَلٰی
اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ
عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ.

گزشتہ دروس کا خلاصہ:

میں نے گزشتہ دو دروس میں یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں
آئے گا یا یوں کہہ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد
کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اللہ رب العزت نے آپ کی ذات اقدس پر سلسلہ نبوت
کو ختم فرما دیا ہے۔ سوال یہ تھا کہ جب حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں اور قیامت
تک کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا تو قیامت تک امت کی راہنمائی کون کرے گا؟ اس پر
میں نے گزشتہ دو دروسوں میں یہ بات عرض کی تھی کہ اس امت کی راہنمائی چار

طبقات کریں گے:

نمبر 1: خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم

نمبر 2: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نمبر 3: فقہاء کرام

نمبر 4: علماء عظام

یہ چار طبقات ہیں جو امت کی راہنمائی کریں گے۔ میں نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عنوان پر تفصیل سے بات کی تھی، پھر صحابیت کے عنوان پر بھی تفصیل سے گفتگو کی اور آج میں گفتگو کروں گا ”فقہاء کرام“ کے عنوان پر کہ فقہاء کرام کی حیثیت کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کن لفظوں میں فقہاء کرام کا تذکرہ فرمایا اور فقہاء کرام کے ذمہ کام کیا ہیں؟ آئندہ درس میں ان شاء اللہ آخری طبقہ یعنی ”علماء کرام“ کے عنوان پر بات کروں گا اور یہ چوتھا اور آخری درس ہو گا۔ اللہ ہمیں بات سمجھنے کی اور سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ بات سمجھ میں آ جائے تو حق جلّ جہدہ عمل کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین۔ سامعین)

فقہاء کا مقام بزبانِ نبوت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقہاء کرام کے بارے میں جو ارشادات فرمائے ہیں ان کو سنیں، میری اور آپ کی گفتگو سے کوئی اختلاف کر سکتا ہے لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سے اختلاف کم از کم مسلمان نہیں کر سکتا۔

[۱]: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں: ”سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ میں نے خود نبی صلی اللہ علیہ

وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے: مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ.

(صحیح البخاری: حدیث نمبر 71)

اللہ جس کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ فرمائیں اسے دین میں سمجھ عطا فرمادیتے ہیں، اسے تفقہ اور فقہ فی الدین کی نعمت عطا فرمادیتے ہیں۔

[۲]: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک رشتہ اور بھی ہے، آپ رضی اللہ عنہما کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور ام المؤمنین ہیں۔ اس لیے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آنا جانا بغیر پردہ کے تھا، کیونکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا یہ حضرت ابن عباس کی خالہ تھیں اور خالہ سے پردہ نہیں ہوتا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس کے بارے میں آتا ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر چلے گئے، رات وہاں قیام کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی ہیں اور خالو بھی ہیں، آپ چاہتے تھے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمولات دیکھوں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، قضائے حاجت سے فارغ ہوئے، دیکھا کہ ایک لوٹاپانی کا بھرا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لیے رکھا ہے تو حضرت میمونہ سے پوچھا کہ یہ لوٹاپانی کا کس نے رکھا ہے؟

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: عبد اللہ بن عباس نے رکھا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس اس وقت چھوٹے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دود عایں دیں: **اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمَهُ التَّائِيْلَ**۔

نمبر 1: **اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ** ”اے اللہ ان کو دین کا فقیہ بنا!“

نمبر 2: **وَعَلِّمَهُ التَّائِيْلَ** ”اور ان کو قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما!“

(مسند اسحاق بن راہویہ: ج 4 ص 230 حدیث نمبر 2038)

حضرت عبد اللہ بن عباس فقیہ بھی تھے اور مفسر قرآن بھی تھے، صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم ان کو کہا کرتے تھے کہ یہ ”ترجمان القرآن“ ہیں یعنی قرآن کی زبان ہیں۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ص 284)

[۳]: اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور یہ روایت امام طبرانی کی کتاب ”المعجم الاوسط“ میں موجود ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

یا رسول اللہ! انزل بنا أمر لیس فیہ بیان، أمر ولا نہی فمات أمرنا۔
اے اللہ کے نبی! اگر ہمیں کوئی مسئلہ پیش آجائے اور قرآن یا حدیث میں صراحتاً مسئلہ کا حل نہ ملے تو پھر ہم کیا کریں؟ کس سے مسئلہ پوچھیں؟ آپ نے فرمایا: تشاورون الفقهاء۔

(المعجم الاوسط للطبرانی: ج 1 ص 441 رقم الحدیث 1618)

فقہاء کے پاس جایا کرو اور ان سے مسئلہ پوچھ لیا کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن اور حدیث میں مسئلہ واضح نہ ملنے کی صورت میں فقہاء کے حوالہ کیا ہے کہ ان سے جا کر مسئلہ پوچھا کرو۔

[۴]: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فقیہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا گورنر اور معلم بنا کر بھیجا۔ اس دور کا گورنر ایسے نہیں تھا جیسے ہمارے دور میں گورنر ہوا کرتا ہے، اس دور کے گورنر کے ذمہ انتظامی امور بھی تھے اور شرعی امور بھی تھے، وہ انتظامات بھی سنبھالتا تھا اور شریعت بھی سکھاتا تھا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن کے عامل اور گورنر بن کر گئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تو ان سے کچھ سوالات کیے، یہ جانچنے کے لیے کہ میرا شاگرد کس حد تک میری بات کو سمجھ سکا ہے اور آگے

سمجھائے گا!! اس لیے آپ نے حضرت معاذ سے پوچھا:

كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟

اے معاذ! اگر لوگ تیرے پاس کوئی مسئلہ لے کر آئیں، کوئی کیس لے

کر آئیں تو تو مسئلہ کیسے بتائے گا، فیصلہ کیسے کرے گا؟

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عرض کیا: أَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ.

اللہ کے نبی! قرآن موجود ہے میں قرآن سے فیصلہ کروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ.

اگر تجھے قرآن میں مسئلہ نہ ملے تو پھر کیسے فیصلہ کرے گا؟ انہوں نے

عرض کیا: فَيَسْتَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

میں آپ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ اللہ کے نبی نے پوچھا: فَإِنْ لَمْ

تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. اگر سنت میں بھی مسئلہ نہ ملا تو پھر

کیا کرے گا؟ انہوں نے کہا: أَجْتَهِدُ بَرَأْيِي وَلَا أَلُو.

پھر میں اجتہاد کروں گا اور اجتہاد میں کمی نہیں کروں گا۔ جس حد تک سے

مجھ سے ہو سکا میں محنت کروں گا اور اجتہاد کر کے لوگوں کو مسئلہ سمجھا دوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا خوش ہوئے: فَصَرَّبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وسلم صَدْرَهُ. اپنا مبارک ہاتھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پہ رکھ دیا۔

کیوں؟ تاکہ اللہ اس کے سینے کو کھول دے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يُرِيدُ رَسُولَ اللَّهِ.

اے اللہ! میں نمائندہ آپ کا ہوں اور یہ معاذ نمائند میرا ہے۔ میں رسول

خدا ہوں اور یہ رسول مصطفیٰ ہے۔ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے میرے

نمائندہ کو اس بات کی توفیق دی جس سے آپ کا نمائندہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

خوش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا۔

حدیث معاذ کی تشریح:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی سے پوچھا: لوگ مسئلہ پوچھیں گے تو جواب کیسے دو گے؟ انہوں نے کہا: میں قرآن سے جواب دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اگر قرآن میں نہ ملے تو پھر کیسے جواب دو گے؟

ہر مسئلہ کا حل قرآن میں نہیں ملتا:

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر مسئلہ قرآن میں موجود نہیں ہے، اگر ہر مسئلہ قرآن میں موجود ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیوں فرماتے کہ ”اگر قرآن میں نہ ملے تو پھر کیسے جواب دو گے؟“ پھر اس سوال کے جواب میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عرض کیا: فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. میں فیصلہ آپ کی سنت سے کروں گا۔

اس سے بھی معلوم ہوا حضرت معاذ کو بھی پتہ ہے کہ ہر مسئلہ قرآن میں موجود نہیں ہے ورنہ حضرت معاذ عرض کر دیتے کہ ”اے اللہ کے نبی! ہر مسئلہ قرآن میں موجود ہے، دوسری طرف جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟!“

اس سے پتہ چلا کہ جو لوگ آج کے دور میں یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ ہر بات قرآن میں موجود ہے ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں..... یہ لوگ اللہ کے نبی کی بات بھی نہیں مانتے اور نبی کے صحابی کی بات بھی نہیں مانتے۔

منکرین حدیث سے یہ سوال کریں!

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ جو بندہ کہے کہ ہر بات قرآن میں موجود ہے ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں، تو اس پر بہت سے سوال ایسے موجود ہیں کہ

آپ ان سے کریں تو یہ لوگ آپ کو قرآن سے ان کا حل نہیں دے سکتے۔
اگر کوئی بندہ کہتا ہے کہ ہمیں قرآن کافی ہے حدیث کی ضرورت نہیں
تو آپ اس سے پوچھیں:

✽ فرض نمازیں کتنی ہیں؟ وہ کہے گا: پانچ۔ آپ کہیں: قرآن سے دکھا دو! یہ
جو نمازیں پانچ ہیں یہ قرآن میں نہیں ہے، نمازیں پانچ ہیں یہ حدیث مبارک میں
ہے، ہاں قرآن میں اشارے تو ملتے ہیں لیکن پانچ نمازوں کی صراحت قرآن میں
نہیں ہے، یہ احادیث مبارکہ میں ہے۔

✽ اس بندے سے پوچھیں: نماز سے پہلے اذان دینی چاہیے؟ وہ کہے گا: جی
دینی چاہیے۔ اس سے کہیں: قرآن سے دکھا دو، پانچ نمازوں کے لیے اذان دینا یہ
شخص قرآن کریم میں سے نہیں دکھا سکتا۔

✽ چلیں اذان بعد کا مسئلہ ہے، نماز اس کے بعد کا مسئلہ ہے یہ سب باتیں بعد
کی ہیں، آپ اس آدمی سے پوچھو: انسان کے مسلمان ہونے کے لیے کلمہ شرط ہے؟
وہ کہے گا: جی شرط ہے۔ آپ اس سے پوچھو: کون سا کلمہ شرط ہے؟ وہ کہے گا: ”لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“، آپ کہو: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ اکٹھا جیسے ہم
پڑھتے ہیں کہیں قرآن میں دکھا دو، پورے قرآن میں یوں اکٹھا نہیں ہے، ہاں
”فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ یہ اور جگہ پر ہے۔

(سورۃ محمد: 19)

اور ”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ یہ اور جگہ پر ہے۔

(سورۃ الفتح: 29)

یہ دونوں کلمے کے حصے ہیں مگر یہ دونوں حصے اکٹھے قرآن میں دکھاؤ،
مسجدوں میں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ اکٹھا لکھا ہوا ہوتا ہے لیکن قرآن

میں اکٹھا لکھا ہوا موجود نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسئلہ قرآن میں موجود نہیں ہوتا۔

ثواب و عذاب قبر پر ایک دلچسپ مکالمہ:

میں لاہور میں ایک جگہ بیان کے لیے گیا، بیان سے فارغ ہوا تو میرے میزبان نے کہا کہ ایک ساتھی آپ سے مسئلہ پوچھنا چاہتا ہے، ہم کھانے پر موجود تھے، میں نے اس سے کہا: آپ مسئلہ پوچھنا چاہتے ہیں یا مسئلہ بتانا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا: جی میں مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا: نہیں! جھوٹ نہیں بولنا، اگر آپ بتانا چاہتے ہیں تو مجھے بتادیں، اگر میرا دل چاہے گا تو میں مان لوں گا اور اگر دل چاہے گا تو نہیں مانوں گا، اگر پوچھنا چاہتے ہو تو پوچھ لو میں بتا دیتا ہوں، آپ کا دل کرے تو مان لینا اگر دل نہ کرے تو نہ ماننا۔

اس نے کہا: جی میں نے مسئلہ پوچھنا ہے۔ میں نے کہا: پھر پوچھ لو! مجھے کہنے لگا: جب بندہ فوت ہو جائے تو جس قبر میں بندے کو دفن کیا جاتا ہے کیا اس قبر میں بندے کو ثواب اور عذاب ہوتا ہے؟ نیک ہے تو بدلہ کا نام ”ثواب“ ہے اور اگر گنہگار ہے تو بدلہ کا نام ”عذاب“ ہے۔ میں نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے عذاب و ثواب ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟

دراصل وہ مجھے مسئلہ بتانے آیا تھا پوچھنے نہیں آیا تھا، تمہید ان لوگوں کی پوچھنے کی ہوتی ہے لیکن اصل مقصود بتانا ہوتا ہے۔ تو میں نے پوچھا: آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: نہ اس قبر میں ثواب ہوتا ہے اور نہ اس قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ میں نے کہا: چلیں اس پر کوئی دلیل تو آپ کے پاس ہوگی وہ بتادیں!

دلیل مخالف سے پوچھیں!

کوئی آپ سے مسئلہ پوچھتا ہے تو آپ مسئلہ بھی بتاتے ہیں اور دلیل بھی

بتاتے ہیں اور جب نہیں آتی تو پریشان بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی آئے تو مسئلہ بھی اس سے پوچھتے ہیں اور دلیل بھی اس سے پوچھتے ہیں، نہ آئے تو ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ بھائی! اتنا سنا تیرا علم ہے اور تجھے منہ کھولتے ہوئے شرم نہیں آتی، اپنا علم دیکھ لے پھر ہم سے بحث کرنا، اس سے اس بندے کو احساس ہوتا ہے کہ میری علمی سطح کتنی ہے، آپ فوراً مسئلہ بتاتے ہیں اور پھر فوراً اس کی دلیل بتاتے ہیں، جب دلیل آتی نہیں تو پھر پریشان ہو جاتے ہیں۔

گفتگو کرنا ایک فن ہے، اللہ جس کو عطا فرمادے یہ اللہ کی عطا ہے، اگر اللہ یہ فن عطا فرمادے تو اللہ کا شکر ادا کریں، اگر فن نہ ملا تو پھر فن والے سے فن سیکھ لیں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ کپڑا بیچنا ایک فن ہے، آپ اس کے لیے اپنا بیٹا کپڑے والے کے پاس بھیجتے ہیں، کپڑا چھوڑیں پیاز ٹماٹر بیچنا بھی ایک فن ہے۔ آپ پہلے دن بچے کو دو لاکھ کی سبزی کی دکان بنا کر نہیں دیتے بلکہ پہلے کچھ عرصہ اس کو سبزی والے کے پاس بھیجتے ہیں اور شریعت کو ایسا میٹیم سمجھا ہے کہ آدمی بیچتا پکوڑے ہے اور بحث شریعت پہ کرتا ہے، بیچتا کپڑا ہے اور بحث علماء سے کرتا ہے، بیچتا جوتیاں ہے اور بحث علمائے کرام سے کرتا ہے، اسے جوتیاں بیچنی نہیں چاہئیں جوتیاں کھانی چاہئیں۔ مطلب یہ ہے کہ جوتی والے کا کام جوتی بیچنا ہے اور علمائے کرام کا کام مسئلہ بتانا ہے، اپنا اپنا کام کریں تو کبھی بھی لڑائی نہیں ہوگی۔

آپ میری بات کو محسوس نہ فرمائیں مساجد میں لڑائیاں تب ہوتی ہیں جب انتظامیہ وہ کام کرتی ہے جو ان کا کام بنتا نہیں ہے تو لڑائی ہو جاتی ہے۔

کیے جاؤ کام اپنا اپنا:

ہمارا چک 87 آپ کے بالکل قریب ہے، آپ وہاں آنے کی زحمت نہیں کرتے، وہاں آ کے دیکھیں پانچ مسجدیں ہیں، پانچوں مسجدوں میں کوئی لڑائی نہیں ہے،

کیوں کہ ان مساجد کی تنخواہ عوام کے ذمے ہے اور مسجد کا انتظام ہمارے ذمے ہے، لڑائی کیسے ہوگی؟ بھائی! آپ کے ذمے تنخواہ دینی ہے، آپ کے ذمے بل دینا ہے، آپ کے ذمے مسجد کو ٹھیک کرنا ہے، ہمارے ذمے امام دینا ہے، امام ہم دیں گے، تقریر ہم کریں گے، مسئلہ ہم بتائیں گے، بچوں کو ہم پڑھائیں گے، اخراجات آپ پورے کریں، اب بتاؤ لڑائی ہوگی؟ اب جھگڑا نہیں ہو گا، جھگڑا اس وقت ہوتا ہے جب بندہ دوسرے کے کام میں مداخلت کرتا ہے۔

پانچوں باتیں مانتے ہیں:

تو خیر میں نے اس سے پوچھا: آپ کے پاس کون سی دلیل ہے؟ مجھے وہ کہنے لگا: میرے پاس دلیل یہ ہے کہ اگر یہ مسئلہ ضروری ہوتا تو قرآن کریم میں ہوتا، نہ قرآن کریم میں میت کے ثواب کا ذکر ہے اور نہ قرآن کریم میں میت کے عذاب کا ذکر ہے؟ تو جب قرآن میں نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ثواب و عذاب قبر ہے ہی نہیں، اگر ہوتا تو اللہ قرآن میں ضرور ذکر فرماتے۔

میں نے اس سے پوچھا: جب آپ کے ہاں کوئی بندہ فوت ہو جائے تو سب سے پہلے اس کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے یا کچھ کام آپ بھی کرتے ہیں؟ کہنے لگا: عذاب یا ثواب تب ہو گا جب قبر میں جائے گا۔ میں نے کہا: قبر سے پہلے کچھ کام کرتے ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں کرتے ہیں۔ میں نے کہا: مجھے گنوائیں۔ اس نے کہا: میت کو غسل دیتے ہیں پھر کفن دیتے ہیں پھر جنازہ پڑھتے ہیں پھر قبر میں دفن کر دیتے ہیں۔

میں نے کہا: آپ کے ابو جان فوت ہو جائیں آپ اس کو کفن دیتے ہیں یہ قرآن کی کون سی آیت میں ہے؟ آپ داد ابو کو جو کفن دیتے ہیں یہ قرآن کی کون سی آیت میں ہے؟ آپ جو میت کا جنازہ پڑھتے ہیں اللہ نے قرآن میں کہاں فرمایا

کہ میت پہ جنازہ پڑھو؟ آپ جو قبر میں دفن کرتے ہیں قرآن کی کون سی آیت میں ہے کہ تم مردے کو دفن کیا کرو؟

مجھے کہنے لگا: پھر دفن نہ کریں؟ میں نے کہا: نہ کرو، قرآن میں جب نہیں ہے تو پھر آپ کیوں کرتے ہیں؟ آپ کے دادا ابو فوت ہو جائیں تو آپ اس کو چوک میں رکھ دو، لوگ پوچھیں تو کہو کہ دل تو کرتا ہے کہ غسل دیں لیکن قرآن میں نہیں آیا اس لیے مجبور ہیں، ہم قرآن کے پابند ہیں جب قرآن میں کہیں ذکر نہیں تو ہم غسل کیوں دیں؟ دل کرتا ہے کہ ہم ان کو کفن دیں لیکن قرآن میں کفن کا ذکر نہیں تو کفن کیسے دیں؟ ہم کفن نہیں دیتے۔

اب جو اس نے کپڑے پہن رکھے تھے وہ تو وراثت میں تقسیم ہو جائیں گے نا اور کفن آپ نے دینا نہیں کیوں کہ قرآن میں نہیں ہے، میں نے اس سے کہا: اب بتاؤ دادا کا حشر کیا ہو گا؟ مجھے فوراً کہنے لگا: اگرچہ قرآن میں نہیں ہے لیکن حدیث میں تو ہے نا؟ میں نے کہا: جس طرح حدیث میں یہ چار چیزیں ہیں اسی طرح حدیث میں پانچویں چیز ثواب و عذاب بھی ہے، تو نے صرف چار مانی ہیں، ہم رائیونڈ والے ہیں ہم ساری مانتے ہیں کیونکہ ہم تبلیغی ہیں اس لیے ہم پوری مانتے ہیں، ہم پورے دین کی بات کرتے ہیں، تم ادھورے دین کی بات کرتے ہو، تو نے حدیث والی چار باتیں مان لیں ہم نے حدیث والی پانچویں بات بھی مان لی۔

میں سمجھایہ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سمجھتے تھے کہ ہر مسئلہ قرآن میں نہیں اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی سمجھتے تھے کہ ہر مسئلہ قرآن میں نہیں ہے۔

اگر مسئلہ قرآن میں صراحتاً موجود نہ ہو:

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ قرآن میں مسئلہ نہ ہو تو پھر کہاں سے

بتاؤ گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: بسنتہ رسول اللہ . سنت سے مسئلہ بتاؤں گا۔ فرمایا: ”فان لم تجد فیہ“ اگر سنت میں بھی نہ ملے تو کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا: اَجْتَهِدُ بِرَأْيِي وَلَا أَلُو. میں اجتہاد کروں گا۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”اگر سنت میں بھی مسئلہ نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نبی کا ذہن بھی یہی تھا کہ ہر مسئلہ حدیث میں بھی نہیں ہوتا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ اگر حدیث میں نہ ملا تو میں اجتہاد کروں گا، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ہر مسئلہ حدیث میں نہیں ہوتا۔

بھینس کی قربانی نہیں کرتے تو دودھ کیوں پیتے ہو؟

اب یہ جو لوگ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ سارے مسئلے قرآن میں ہیں... سارے مسئلے حدیث میں ہیں... اور کہتے ہیں ہمارے دو اصول ہیں: فرمانِ خدا اور فرمانِ رسول، بتاؤ! یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے، سارے مسئلے قرآن میں بھی نہیں ہیں اور سارے مسئلے حدیث میں بھی نہیں ہیں، جس نبی کی حدیث ہے جب وہ نبی خود فرما رہے ہیں کہ سارے مسئلے حدیث میں بھی نہیں ہیں تو آپ کس طرح کہتے ہو کہ سارے مسئلے حدیث میں ہیں؟! اور جو بندہ کہے کہ سارے مسئلے احادیث میں ہیں آپ ان سے دو تین سوال کیا کرو تا کہ بات واضح ہو جایا کرے۔

میرے ذہن میں پہلے بھی آ رہا تھا کہ اگلا درس ہم نے اپنے مضمون کو مکمل کرنے کے لیے ”علماء کرام“ کے عنوان پر دینا ہے لیکن اگلا مہینہ چونکہ ذوالحجہ کا ہو گا اس لیے میری خواہش ہے کہ اگلے مہینہ میں جو درس ہو گا وہ ”مسائل قربانی“ کے عنوان پر ہو۔ ”علماء کرام“ والا موضوع مؤخر کر دیتے ہیں، اس کو بعد میں کر لیں گے ان شاء اللہ۔

قربانی کے مسائل تفصیل سے احادیث کی روشنی میں بیان کریں تاکہ پتا چلے کہ ہمارے مسائل ہیں کیا؟ اس میں ایک مسئلہ یہ پیش آئے گا کہ کٹے (بھینس) کی قربانی جائز ہے کہ نہیں؟ اب جو لوگ کٹے اور بھینس کی قربانی نہیں دیتے جب ان سے پوچھیں کہ کٹے اور بھینس کی قربانی کیوں نہیں دیتے؟

تو کہتے ہیں کہ حدیث میں نہیں آیا۔ آپ ان سے پوچھیں کہ اگر حدیث میں بھینس کی قربانی نہیں ہے تو پھر حدیث میں بھینس کا گوشت بھی تو نہیں ہے، حدیث میں بھینس کا دودھ بھی تو نہیں ہے، حدیث میں بھینس کا مکھن بھی تو نہیں ہے، حدیث میں بھینس کا دیسی گھی بھی تو نہیں ہے، پھر آپ بھینس کا دودھ پینا چھوڑ دیں کیوں کہ حدیث میں نہیں ہے، اب دیکھو! یہ لوگ دودھ بڑے شوق سے پیتے ہیں لیکن کٹاؤں کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

کتنا دہرا معیار ہے کہ ایک چیز کا ذکر حدیث میں نہیں تھا تو اس کو لے لیا اور دوسری کا ذکر حدیث میں نہیں ہے تو اس کو لینے کے لیے تیار نہیں ہیں لیکن جب میں اس پر گفتگو کروں گا تو دلائل سے بتاؤں گا کہ بھینس کا دودھ کہاں سے ثابت ہے اور بھینس کی قربانی کہاں سے ثابت ہے تاکہ پتہ چلے کہ فقہاء کرام نے کام کیا کیا ہے؟ دونوں باتیں ہماری سامنے آئیں گی ان شاء اللہ۔

جان بھی بچ گئی اور ایمان بھی:

تو جو بندہ یہ کہے کہ ہر مسئلہ حدیث سے ثابت ہے تو آپ اس سے کچھ مسائل پوچھو، مسائل تو بہت سے ہیں لیکن میں سمجھانے کے لیے کہا کرتا ہوں کہ مثلاً ایک آدمی کا والد ہسپتال میں داخل ہے، ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں آپ کو دو بوتل خون کا انتظام کرنا پڑے گا اباجی کو خون لگانا ہے۔

اب یہ بچہ ہمارا نہیں تھا، یہ بچہ ان کا تھا جو کہتے ہیں کہ ہر مسئلہ حدیث سے

ثابت ہے۔ اب یہ اپنے مولوی صاحب کے پاس گیا کہ اباجی ہسپتال میں داخل ہے اور ڈاکٹر نے کہا ہے کہ دو بوتل خون کا بندوبست کرو، خون کا بندوبست میں کرلوں گا، پیسے لگانا مسئلہ نہیں ہے، حضرت! آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ یہ مسئلہ حدیث میں ہے کہ نہیں؟ اس مولوی صاحب نے کہا: حدیث میں تلاش کریں گے کل آنا۔ وہ کل آ گیا۔ مولوی صاحب نے دیکھا کہ حدیث میں تو نہیں ہے، انہوں نے اس بچے سے کہا کہ بیٹا! کسی حدیث میں نہیں ہے کہ مریض کو خون دینا چاہیے، ہاں مریض کے خون لینے کا ذکر موجود ہے۔

اس نے کہا: جی کہاں پہ لکھا ہے؟ مولوی صاحب نے کہا: جامہ کا ذکر نہیں دیکھتے، کچھنے لگوانے کا ذکر حدیث میں موجود ہے، اس میں بیمار کا خون نکالتے ہیں تو بیمار ٹھیک ہو جاتا ہے، تم ڈاکٹر کے پاس جا کر کہو کہ میرے اباجی کا خون ایک بوتل نکال لیں۔ یہ بچہ کہتا ہے کہ جی خون پہلے ہی کم ہے اور آپ کہتے ہیں کہ مزید نکال لو۔ اب وہ مولوی صاحب بات سمجھا رہے ہیں کہ دیکھو بیٹا! ہم قرآن اور حدیث کے پابند ہیں، ہم ڈاکٹر کے پابند نہیں ہیں، جان جائے تو جائے ہمیں ایمان بچانا چاہیے، اس لیے آپ ڈاکٹر سے کہو کہ اباجی کے خون کی ایک بوتل نکال لے۔

اب وہ بچہ پوچھتا ہے کہ یہ میرا باپ ہے میں اپنے باپ کو مرتا کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ اگر آپ اجازت دیں تو ہم خفیوں کے کسی عالم صاحب اور مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھ لیں۔ اس مولوی صاحب نے کہا: ان سے نہ پوچھنا! اس نے کہا: جی کیوں نہ پوچھوں؟ مولوی صاحب کہنے لگے: اس لیے کہ حدیث میں مسئلہ موجود نہیں ہے اور جب تو خفی عالم اور مفتی صاحب کے پاس جائے گا وہ مفتی صاحب قیاس کریں گے اور تو ان کی تقلید کرے گا، تقلید کرنے سے تو مشرک ہو جائے گا، اس لیے بیٹا! ایمان بچالے اباجی فکر نہ کر، باپ کی فکر نہ کر اپنا ایمان بچا۔

اس بچے نے کہا: حضرت میں پریشان ہوں، تمہاری بات مانوں تو ابا کی جان نہیں رہتی اور اگر حنفی مفتی کی بات مانوں تو میرا ایمان نہیں رہتا، میں بڑا پریشان ہوں، میں ابا کی جان بچاؤں یا اپنا ایمان بچاؤں؟ اب یہ بچہ پریشانی کی حالت میں ہمارے پاس آ جاتا ہے، آدمی مجبور ہو تو چلا آتا ہے۔ جیسے تین طلاق دو تو تین ہی ہوتی ہیں، ایک کا تو تصور ہی نہیں ہے۔

لیکن جب لوگ پھنس جائیں تو پھر وہاں دوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”آخر وہ بھی تو مولوی ہیں، ان کے پاس بھی تو حدیثیں ہیں لیکن وہ تو یوں نہیں کہتے، انہوں نے بھی تو مرنا ہے، انہوں نے بھی تو اپنی قبر میں جانا ہے۔“ میں نے کہا: مرزائیوں نے بھی تو مر کے قبر میں جانا ہے، مرزا غلام احمد قادیانی قبر میں پڑا ہوا ہے، مرزائی بھی حدیثیں سناتے ہیں تو کیا العیاذ باللہ کوئی انسان اس بات پر مرزائی ہو جائے کہ جی ان کے پاس بھی تو حدیثیں ہیں؟! میں نے کہا: کچھ عقل سے کام لو اور اتنی جلدی اپنے مسلک کو بدلنے کے لیے تیار نہ ہو جایا کرو، دنیا کی کچھ مشقت برداشت کر لو، آخرت کی سزا بڑی سخت ہے اور آخرت کے انعامات بھی بہت بڑے ہیں۔ اللہ آخرت کے عذاب سے بچائے اور انعامات عطا فرمائے۔ [آمین۔ سامعین]

خون لگوانے کی دلیل:

خیر! بندہ مجبور ہو تو آ جاتا ہے، اب یہ بچہ ہم سے پوچھتا ہے کہ ہم کیا کریں؟ ہم نے کہا: ابا جی کو دو بوتل خون دے دو اور ڈاکٹر سے کہو کہ خون مل جائے گا۔ وہ پوچھتا ہے: میرے ایمان کا کیا بنے گا؟ ہم نے کہا: آپ کے ایمان کو کچھ نہیں ہوگا، آپ کا ایمان بچ جائے گا۔ پوچھتا ہے: جی کیسے بچے گا؟ اب ہم اس کو سمجھاتے ہیں کہ دیکھو بیٹا بات سمجھو! کسی آدمی کے لیے اپنے جسم سے ایک قطرہ خون کا بلا وجہ نکالنا جائز نہیں ہے، اپنے جسم پر بلیڈ مار کر خون نکالنا جائز نہیں ہے، خودکشی کرنا

بھی جائز نہیں ہے، نہ پورے جسم کو ختم کرنا جائز ہے اور نہ ہی ایک عضو کو کاٹنا جائز ہے کیونکہ یہ جسم اللہ کی امانت ہے اور امانت میں اپنی طرف سے رد و بدل کرنا جائز نہیں۔ اب میں نے کہا: آدمی محرم میں ماتم کرنا چاہے تو جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ جسم اللہ کی امانت ہے، اسے بلا وجہ سزا نہ دو، اس کو نہ پیڑیہ اللہ کی امانت ہے، اس میں آدمی اپنی مرضی سے کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا: آدمی اپنے جسم سے ایک قطرہ بھی خون کا نکالے تو جائز نہیں ہے لیکن جب حجامہ اور بچھنا لگواتے ہیں تو اس میں کافی زیادہ خون نکلتا ہے، آپ حجامہ والا کپ دیکھیں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ اس میں بہت زیادہ خون نکلتا ہے، اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جب ایک قطرہ خون نکالنا جائز نہیں ہے تو پانچ کپ نکالنا کیسے جائز ہوں گے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک خون نکالنا جائز نہیں ہے لیکن چونکہ مقصود بیماری ختم کر کے جان کو بچانا ہے اس کے لیے اب خون نکالنا جائز ہو گا۔ پتہ یہ چلا کہ خون نکالنا جائز نہیں ہے لیکن جب جان بچانی ہو تو پھر جائز ہے، اسی طرح خون دینا بھی جائز نہیں ہے لیکن جب جان بچانی ہو تو پھر دینا بھی جائز ہے۔ توجو وجہ خون لینے کی تھی وہی وجہ خون دینے کی ہے۔ لہذا اگر نکالنا جائز ہے تو دینا بھی جائز ہے۔

اب میں نے اس سے کہا: بیٹا! تم میرے پاس آئے تو اباجی کی جان بھی بچ گئی اور تمہارا ایمان بھی بچ گیا۔ تو فقہاء بندے کی جان بھی بچا لیتے ہیں اور جس حد تک ممکن ہو بندے کا ایمان بھی بچا لیتے ہیں۔

چند غیر منصوص مسائل:

میں یہ سمجھا رہا تھا کہ جو بندہ یہ کہے کہ ہر مسئلہ حدیث میں موجود ہے تو آپ اس سے پوچھیں:

✽ حضرت! لاؤڈ سپیکر میں نماز پڑھاتے ہیں، پچھلے مقتدیوں کو امام کی آواز سنائی

نہیں دیتی بلکہ لاؤڈ سپیکر کی آواز سنائی دیتی ہے، اب نماز ہو جاتی ہے تو حدیث دکھا دیں، اگر نہیں ہوتی تو حدیث دکھا دیں!

✽ ہمارے ہاں آدمی انجیشن لگواتا ہے، اگر روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو حدیث دکھائیں، اگر نہیں ٹوٹتا تو بھی حدیث دکھائیں!

✽ بائی پاس آپریشن کرانا ہے اور ایک جگہ کی نالی نکال کر دل میں لگانی ہے، یہ جائز ہے تو حدیث دکھا دیں، اگر جائز نہیں تو حدیث دکھا دیں!

عمل اجتہاد پر پیغمبر کی خوشی کا عالم:

اب دیکھیں کتنے مسائل پیش آ رہے ہیں کہ جن کی صراحت حدیث میں موجود نہیں ہے۔ اس لیے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عرض کی کہ یا رسول اللہ اگر مسئلہ حدیث میں نہ ملا تو: أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي۔ میں اجتہاد کروں گا۔

اللہ کے نبی اتنا خوش ہوئے کہ آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پہ ہاتھ رکھ دیا اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أُحْمَدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يُرِيدُ رَسُولَ اللَّهِ.

اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ آپ نے میرے شاگرد کو اس بات کی توفیق دی جس سے تیرا یہ نمائندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہے۔

میں بتا رہا تھا کہ جب ہر مسئلہ قرآن میں بھی موجود نہیں ہے اور ہر مسئلہ حدیث میں بھی موجود نہیں ہے تو پھر امت کے مسائل کہاں سے حل ہوں گے؟ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ بات سمجھائی ہے کہ وہ لوگ جو میرے بعد تمہارے کام آئیں گے:

✽ وہ خلفائے راشدین ہوں گے۔

✽ ان کے بعد صحابہ کرام ہوں گے۔

✽ اور ان کے بعد فقہاء کرام ہوں گے۔

فقہ؛ مسائل کا حل

دنیا جہان کا کوئی ایسا مسئلہ موجود نہیں ہے جو آپ پوچھنا چاہیں اور فقہ میں اس کا حل موجود نہ ہو۔ تمام مسائل کا حل فقہ میں موجود ہے اور فقہاء آپ کو دے سکتے ہیں اور جب بھی آپ کہیں پھنس جائیں تو اپنی مرضی سے جلدی فتوے نہ دیا کریں، پہلے فقہ سے جا کر پوچھ لیا کریں کہ اس کا کوئی حل نکلتا ہے یا نہیں نکلتا؟ فقہاء پوری قوت لگا دیتے ہیں اور مسائل کا حل امت کو دے دیتے ہیں۔ اس پر میں آپ کو امام اعظم رحمہ اللہ کا واقعہ سناتا ہوں۔

امام اعظم نے امام اعظم کی مشکل حل کر دی:

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، ”اعمش“ کہتے ہیں چند ہیائی آنکھوں والے کو، امام اعظم زیادہ خوبصورت نہیں تھے، ان کی اہلیہ بہت خوبصورت تھیں۔ آپ بہت بڑے محدث اور بہت بڑے عالم تھے اور گھر والی سے کسی نہ کسی مسئلے پر نوک جھونک چلتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ رات گھر میں کوئی بات بڑھ گئی تو امام اعظم نے غصے میں آکر اپنی بیوی کو کچھ کہہ دیا تو بیوی چپ ہو گئی، ناراض ہو گئی اور خاموش ہو کر بیٹھ گئی تو امام اعظم نے غصے سے کہہ دیا: بولتی کیوں نہیں؟ لیکن وہ بھی تو غصے میں تھی اس لیے بات بالکل نہیں کی، اب امام اعظم پھر غصے میں آکر کہنے لگے: ”اگر فجر کی اذان سے پہلے پہلے تو نے مجھ سے بات نہ کی تو تجھے تین طلاق“۔ غصے میں آکر تو کہہ دیا مگر وہ تو اور پکی ہو گئی اور نہ بولی۔

امام اعظم نے غصے میں کہہ تو دیا لیکن جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو آپ پریشان ہو گئے کہ اس نے بولنا نہیں تو طلاق ہو جانی ہے، اب امام اعظم بہت پریشان ہیں۔ امام

اعمش استاد تھے اور امام ابو حنیفہ شاگرد تھے، امام اعمش اب اپنے شاگرد ابو حنیفہ کے پاس رات کو گئے، جا کے دروازے پہ دستک دی، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعمش سے پوچھا: استاد جی! خیر تو ہے؟ اتنی رات میں اچانک تشریف لائے؟ کہنے لگے: ابو حنیفہ! عورت سے آن بن رہتی ہے لیکن آج یہ جملہ کہہ دیا، اب آپ کوئی حل نکالیں۔

امام صاحب فرمانے لگے: استاد جی! آپ جا کر آرام سے سو جائیں، ان شاء اللہ آپ کی بیوی کو تین توکبا ایک طلاق بھی نہیں ہوگی۔ امام اعمش فرمانے لگے: وہ کیسے؟ امام صاحب فرمانے لگے: استاد جی! میں نے کہہ دیا ہے ناکہ تین طلاق توکبا ایک طلاق بھی نہیں ہوگی، آپ جا کے آرام فرمائیں۔ حضرت امام اعمش کہنے لگے: میں اس کا مزاج جانتا ہوں اس نے فجر تک نہیں بولنا۔

امام صاحب فرمانے لگے: بیوی کا مزاج آپ جانتے ہیں استاد جی! اور شریعت کا مزاج میں جانتا ہوں، آپ فکر نہ کریں اور جا کر آرام سے سو جائیں۔ امام اعمش جب چلنے لگے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری آپ سے چھوٹی سی گزارش ہے کہ آپ اپنے محلے کی مسجد کے مؤذن سے کہہ دیں کہ آج فجر کی اذان اس وقت دے جب میں کہوں، پہلے وہ آپ کے کہنے پر دیتا ہے اب اذان میرے کہنے پر دے، بس آپ اس کو یہ فرمادیں۔

امام اعمش نے کہا: ٹھیک ہے۔ جا کر مؤذن کو کہہ دیا کہ آج اذان تب دینی ہے جب امام ابو حنیفہ کہے۔ اس نے کہا: جی ٹھیک ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں فجر کی اذان کا وقت شروع ہونے سے بہت پہلے مثلاً ایک گھنٹہ پہلے پہنچ گئے اور جا کر مؤذن سے کہا کہ اذان دو۔

اس نے کہا: ابھی تو وقت ہی شروع نہیں ہوا! فرمایا: تمہیں آج تمہارے

امام نے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا: جی امام اعمش نے فرمایا تھا کہ آج اذان ابو حنیفہ کے کہنے پر دینا۔ فرمایا: پہلے بھی انہوں نے کبھی ایسا کہا؟ اس نے کہا: جی نہیں کہا۔ امام صاحب نے فرمایا: کوئی خاص بات ہوگی تبھی تو آج کہا ہے نا! اس کو بات سمجھ آگئی اور اس نے اذان دے دی۔ اب جب مؤذن نے اذان دی تو بیوی نے امام اعمش کو کہا: اب خوش ہیں؟ مطلب یہ کہ طلاق ہو گئی ہے۔

اب امام اعمش رحمہ اللہ پھر پہنچے امام ابو حنیفہ کے پاس، ان سے کہنے لگے کہ آپ نے تو کہا تھا کہ طلاق نہیں ہوگی وہ تو ہو گئی ہے۔ امام صاحب نے کہا: استاد جی! نہیں ہوگی آپ گھر جائیں اور آرام فرمائیں۔ کہا: جی، کیسے نہیں ہوگی؟ فرمایا: آپ آرام فرمائیں، نہیں ہوگی۔ امام اعمش پھر چلے گئے۔ ادھر اذان کا وقت شروع ہوا تو امام ابو حنیفہ پھر آئے اور مؤذن سے کہا:

اب اذان دے اور یہ اعلان کرنا کہ پہلے اذان وقت شروع ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے میں نے غلطی سے دے دی تھی، اب وقت شروع ہوا ہے۔ مؤذن نے اذان دی اور اعلان کیا کہ اذان غلطی سے وقت سے پہلے ہوئی تھی، وقت اب شروع ہوا ہے۔ امام اعمش بیوی سے کہنے لگے: اب تو خوش ہے؟! اس نے کہا: لگتا ہے آپ امام ابو حنیفہ سے ہو کر آئے۔ (سبحان اللہ۔ سامعین)

اب دیکھو! یہ فقیہ کا کام ہے اجڑے گھروں کو بچا لینا لیکن تب جب گنجائش نکلتی ہو، جب گنجائش نہ نکلے تو پھر تو نہیں بچا سکتے، کوئی آدمی ایسا زہر پی لے کہ جس کا تریاق ہی نہ ہو تو حکیم کیسے بچائے؟! اور ایسا زہر کھالے کہ جس کا تریاق موجود ہو تو حکیم پورا زور لگا دیتا ہے کہ یہ آدمی بچ جائے۔

جائز تاویلات کا احادیث سے ثبوت:

آپ کے ذہن میں ایک سوال آئے گا اور عموماً لوگ کہتے بھی ہیں کہ مولوی

صاحبانِ حیلے کرتے ہیں، یہ تاویلیں کرتے ہیں، یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ حیلے اور تاویلیں وہ ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی ہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کا مال نہیں کھاتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی کھانے کی چیز لائی جاتی تو آپ پوچھتے تھے کہ یہ تحفہ ہے یا صدقہ؟ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے فرماتے کہ تم کھاؤ، آپ خود نہ کھاتے اور اگر کہا جاتا کہ یہ تحفہ ہے تو آپ صحابہ کے ساتھ مل کر اسے تناول فرماتے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 2576)

اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی کا نام تھا ”حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا“، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار گھر تشریف لائے، چولہے پر ہنڈیا چڑھی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے روٹی اور سالن رکھا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا: کیوں؟ (تازہ سالن نہیں لاتے؟) میں نے خود دیکھا ہے کہ گوشت کی ہانڈی چولہے پر پک رہی ہے تو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضور! اس ہانڈی میں صدقے کا گوشت ہے جو بریرہ کے لیے آیا ہے اور آپ صدقہ نہیں کھاتے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ.

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 5097)

یہ گوشت بریرہ کے لیے صدقہ ہے لیکن ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

دیکھو! گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہے اور جائز طریقے سے پہنچا ہے، بتاؤ! تاویل اور کسے کہتے ہیں؟! تو جو تاویل ہو وہ فقہاء کرتے ہیں اور جو تاویل نہیں ہو سکتی وہ تاویل فقہاء کبھی بھی نہیں کرتے۔

تجارتِ حلال، سودِ حرام:

ابھی میرا عنوان ”اسلامک بینکنگ“ نہیں ہے، میں صرف بات سمجھانے کے لیے کہتا ہوں کہ جب ہمارے مفتی صاحبان اور فقہاء کرام کسی بینک کو جائز کہتے ہیں تو اس کی وجہ یہی صحیح تاویل ہوتی ہے، عام بندہ اس کو سمجھتا نہیں، عام بندہ کہتا ہے: جی یہ بھی سود ہے اور وہ بھی سود ہے۔

میں کہتا ہوں: دونوں میں بہت فرق ہے۔ مثال کے طور پر میں آپ کے شہر کا تاجر ہوں اور میرے پاس مال موجود ہے۔ میں آپ کو یہ مال بطور قرض دیتا ہوں۔ اب قرض دینے کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ جی! ہم نے کپڑے کی دکان بنانی ہے، مولانا صاحب! ہمیں قرض دے دیں۔ میں کہتا ہوں: کتنا چاہیے؟ آپ کہتے ہیں: پچاس لاکھ چاہیے۔ میں کہتا ہوں: پچاس لاکھ آپ کو قرض دیتا ہوں لیکن آپ یہ قرض واپس کب کریں گے؟ آپ کہتے ہیں: دو سال میں۔ تو میں نے کہا: ٹھیک ہے، میں نے آپ کو پچاس لاکھ قرض دے دیا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ نے مجھے واپس ستر لاکھ دینا ہے اور ستر لاکھ کی قسطیں بھی طے کرو کہ ہر مہینے اتنا دینا ہے۔ یہ معاملہ سود ہے کہ پچاس لاکھ دے کر ستر لاکھ لے لیا۔

قرض کی دوسری صورت یہ ہے کہ میں کہتا ہوں: میں آپ کو مال تو نہیں دے سکتا، لیکن چونکہ آپ نے کپڑے کی دکان بنانی ہے تو میں یہ کرتا ہوں کہ کپڑے کی دکان بناتا ہوں، یہ دکان بناتا تو پچاس لاکھ کی ہوں لیکن آپ کو ستر لاکھ میں بیچ دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اب کی اس قسطیں دو۔ اب یہ معاملہ سود نہیں ہے، یہ تجارت ہے، آپ تاجر یہاں بیٹھے ہیں آپ بتاؤ! دنیا میں تجارت ہوتی ہے وہ اسی طرح ہوتی ہے نا؟! (جی ہاں۔ سامعین) آپ کپڑا لاتے ہیں پچاس کا اور بیچتے ہیں ساٹھ کا، ایسے ہی آپ زمین خریدتے ہیں اور پلاٹ بنا کر بیچتے ہیں تو لیتے سستا ہیں اور بیچتے

مہنگا ہیں، اب یہ جائز ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں دو قسم کا معاملہ ہے۔ ایک یہ ہے کہ آپ کو پچاس لاکھ کپڑے کی دکان کے لیے چاہیے تھا، میں نے دکان خرید لی یا باندی اور آپ کو ستر لاکھ کی دے دی۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پچاس لاکھ دے کر ستر لاکھ لینا۔ تو پہلا معاملہ کہ پچاس لاکھ کی دکان ستر لاکھ میں بیچنا یہ سود نہیں ہے اور دوسرا معاملہ کہ پچاس لاکھ دے کر ستر لاکھ لیا جائے یہ سود ہے۔ اب قیامت تک تجارت کے شعبے آنے ہیں، قیامت تک بیماری کے مسائل پیدا ہونے ہیں، قیامت تک نئے نئے مسائل پیدا ہونے ہیں، کسی نئے نبی نے تو آنا نہیں لیکن مسائل پیش آتے رہیں گے تو اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بات سمجھائی کہ جب کوئی مسئلہ پیش آجائے اور اس وقت بتانے والا کوئی نہ ہو؛ نبی نہ ہو، خلیفہ راشد نہ ہو، صحابی نہ ہو تو اب مسائل پوچھیں گے فقہاء سے۔

فقہاء کا کام مسائل کا استنباط:

میں یہ بات سمجھا رہا ہوں کہ فقیہ کا کام کیا ہے؟ فقیہ کے سامنے سارا قرآن ہوتا ہے، اس کے سامنے ساری احادیث ہوتی ہیں، پھر قرآن کریم اور احادیث سے وہ کچھ اصول لکھتا ہے اور ان اصولوں کی روشنی میں مسئلے لکھتا ہے، اب دیکھو! فقیہ کتنا بڑا کام کرتا ہے کہ سارے قرآن اور ساری احادیث میں سے کچھ اصول نکالتا ہے اور ان اصولوں سے مسائل نکال کر قیامت تک آنے والے امتی کے لیے لاکھوں مسائل لکھوا دیتا ہے۔

امام اعظم کے مستنبط مسائل اور طریق استنباط:

اور یہ کام جس آدمی نے سب سے پہلے کیا ہے اس کا نام ہے؛ نعمان بن ثابت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ بنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ امام مالک رحمۃ

اللہ علیہ سے پوچھا گیا: کم قال ابو حنیفہ فی الاسلام؟ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتنے مسئلے لکھوائے ہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ نے جواب دیا: ستین الفاً۔
ساتھ ہزار مسئلے۔

(البنایۃ فی شرح الہدایۃ: ج 1 ص 123 مقدمہ)

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس فقہاء کی کمیٹی بنائی تھی۔

(رد المحتار لابن عابدین ج 1 ص 158، المقدمہ)

ایک مسئلہ پیش آتا تو چالیس حضرات اس پر گفتگو کرتے، پھر امام صاحب رائے دیتے اور اپنی رائے کو دلائل سے بیان فرماتے۔ جب مسئلہ سب کے ہاں اتفاقی قرار پاتا تو فرماتے کہ اب یہ مسئلہ لکھ لو اور اگر کوئی شاگرد اختلاف کرتا تو فرماتے کہ اس کا اختلافی نوٹ بھی لکھ لو تاکہ بعد والوں کو پتہ چلے کہ استاذ کی رائے یہ تھی اور شاگرد کی رائے یہ تھی۔

اپنے شاگرد کی رائے کو دفن نہیں کیا، اختلافی نوٹ بھی ساتھ لکھوا دیا۔ جیسے سپریم کورٹ میں جائیں تو وہاں فل کورٹ بیٹھتا ہے کسی مسئلے کے لیے، فیصلہ تو فل کورٹ میں کثرت پر ہوتا ہے لیکن اگر اس میں ایک جج کا فیصلہ اور ہو اور سات ججوں کا فیصلہ اور ہو تو اختلافی نوٹ ساتھ اس جج کا موجود ہوتا ہے، اسی طرح امام صاحب فیصلے سناتے اور شاگردوں کے اختلافی نوٹ بھی لکھوا دیتے، یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔

فقہ حنفی کی عالمگیریت:

اور آج کے دور میں کئی مسائل ایسے ہیں کہ آپ جان کر حیران ہوں گے شافعی اور حنبلی حضرات بھی اس بات پہ مجبور ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ پر عمل کریں، اس کے علاوہ عمل کی کوئی صورت نہیں نکلتی۔ مسائل تو کئی ہیں،

میں ایک مثال دیتا ہوں۔ صدقۃ الفطر میں آپ گندم، جو، کشمش اور کھجور یہی چار چیزیں دیتے ہیں نا! امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا موقف یہ ہے کہ آپ ان چیزوں کی قیمت نہیں دے سکتے، بعینہ یہی چیزیں دیں گے اور امام صاحب کا موقف یہ ہے کہ چاہیں تو یہ چیزیں دے دیں اور چاہیں تو ان چیزوں کی قیمت دے دیں۔

آج پوری دنیا میں خواہ حنبلی ہوں یا شافعی ہوں وہ چیزیں نہیں دیتے بلکہ قیمت دیتے ہیں اور یہ سہرا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے۔ آپ امارات چلے جائیں، سعودی عرب چلے جائیں وہاں نمایاں لکھ دیتے ہیں کہ اس مرتبہ صدقۃ الفطر مثلاً 15 درہم ہو گا یا لکھا ہو گا کہ ایک دینار ہو گا، تو یہ مسئلہ فقہ حنفی کا ہے، یہ فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کا نہیں ہے۔

تو دیکھو! امام صاحب کے بعض مسائل ایسے ہیں کہ پوری دنیا سمجھتی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کو چھوڑ دیں تو مسائل پہ عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس بندے نے امت پہ کتنا عظیم احسان کیا ہے؟! میں فقہاء کا کام سمجھا رہا تھا کہ یہ قرآن اور حدیث سے اصول لیتے ہیں، پھر ان اصولوں کے مطابق مسائل نکالتے ہیں، پھر یہ مسائل لے کر امت کے حوالے کر دیتے ہیں۔ عام بندے کو اس کا پتہ نہیں ہوتا تو پھر وہ ان پر اعتراضات کی بارش شروع کر دیتا ہے۔

امام اعظم کا اعلان:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کھلا اعلان ہے کہ میرا کوئی مسئلہ حدیث کے مخالف نظر آئے تو آپ میرے مسئلہ کو چھوڑ دو اور حدیث کو لے لو۔ میں کہتا ہوں کہ امام صاحب کے مسئلے کے مقابلے میں کوئی مسئلہ دکھاؤ بھی تو سہی!

ایک غیر مقلد کے ساتھ دلچسپ گفتگو:

میں مکہ مکرمہ میں تھا تو ایک نوجوان مجھے ملا۔ اس نے عجیب بات شروع

کردی۔ کہنے لگا: میں پہلے حنفی تھا اب میں نے مسلک بدل لیا ہے۔ میں نے کہا: بدل لیں، ہم آپ کو کون سا مجبور کرتے ہیں کہ حنفی مسلک پر رہیں لیکن وجہ تو بتائیں نا! مجھے کہنے لگا: میں نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد پڑھا ہے، ارشاد یہ تھا کہ میرے مسئلے کو چیک کرو، اگر میرا مسئلہ حدیث کے خلاف ہو تو میرا مسئلہ چھوڑ دو اور حدیث کو لے لو۔ پھر اس نوجوان نے کہا کہ میں نے امام صاحب کا مسئلہ دیکھا، اس کو چیک کیا تو وہ حدیث کے خلاف تھا، اس لیے میں نے فقہ حنفی کو چھوڑ دیا اور اب الحدیث ہو گیا ہوں۔

میں نے کہا: چلیں بتائیں مسئلہ کون سا ہے؟ کہتا ہے: جی مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن جب خطبے کے لیے امام منبر پر بیٹھ جائے تو اس وقت سنتیں نہ پڑھو اور حدیث مبارک میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے لگے تو ایک صحابی مسجد میں داخل ہوئے اور بیٹھ گئے، آپ نے پوچھا کہ تو نے نفل پڑھے ہیں؟ اس نے کہا کہ جی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھڑے ہو کے پڑھ لو۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ منع کرتے ہیں اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائے ہیں تو جب یہ مسئلہ حدیث کے خلاف آ گیا تو میں نے مسئلہ چھوڑ دیا اور حدیث کو لے لیا ہے اور مسلک بدل لیا ہے۔

امام صاحب کا ارشاد سمجھ لیتا تو مسئلہ چیک نہ کرتا:

میں نے اس نوجوان سے کہا: بیٹا اگر تو امام صاحب کا ارشاد سمجھ لیتا تو مسئلہ چیک نہ کرتا اور اگر مسئلہ سمجھ لیتا تو کبھی اہل حدیث نہ ہوتا۔ یہ دو جملے میں آپ کو سمجھاتا ہوں۔ میں نے اسے کہا: ”بیٹا اگر تو امام صاحب کا ارشاد سمجھ لیتا تو مسئلہ چیک نہ کرتا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کا یہ جو فرمان ہے کہ ”میرے مسئلے کو دیکھو اگر حدیث کے خلاف ہے تو میرا مسئلہ چھوڑ دو“ اگر یہ بات سمجھ لیتا تو امام

صاحب کا مسئلہ چیک ہی نہ کرتا۔ آپ سامعین بھی کہیں گے کہ عجیب بات ہے، اس میں کون سی پیچیدگی ہے جو سمجھ نہیں آرہی؟! اس پر میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں تاکہ آپ کو بات سمجھ آئے۔

تحقیق کا حق کس کو ہے؟

آپ بتائیں! اگر ایک آدمی کے پیٹ میں درد ہو اور وہ ڈاکٹر کے پاس جائے اور کہے: جی میرے پیٹ میں درد ہے، مجھے دوائی دیں۔ ڈاکٹر صاحب اس کو دوائی دے دے اور ایک گولی کا دوسرو پیہ لے لے۔ مریض کہتا ہے: ڈاکٹر صاحب! اتنی مہنگی گولی؟ ڈاکٹر صاحب کہتا ہے: بیٹا! یہ امپورٹڈ گولی ہے امریکہ سے آئی ہے پاکستان کی نہیں ہے، تو کھا کے دیکھ لے۔ اس نے کہا: ڈاکٹر صاحب دوائی بہت مہنگی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا: تم یہ دوائی کسی سے چیک کرالو، یہ عام گولی نہیں ہے، اگر یہ گولی ٹھیک نہ ہو تو گٹر میں پھینک دینا اور آکے مجھ سے چار سو روپے لے لینا۔ وہ چلا اور جا کر ایک آدمی کو گولی چیک کرائی، اس آدمی نے گولی سو گھسی اور کہا: بھائی یہ گولی نہیں ہے یہ زہر ہے، یہ نہیں کھانا۔ اب اس نے گولی گٹر میں پھینکی اور واپس آگیا ڈاکٹر کے پاس کہ ڈاکٹر صاحب! چار سو روپیہ دو۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: آپ نے خود ہی کہا تھا کہ گولی چیک کراؤ، اگر ٹھیک ہو تو کھالینا، اگر ٹھیک نہ ہو تو گٹر میں پھینک دینا اور مجھ سے چار سو روپے لے لینا، میں نے گولی چیک کرائی ہے وہ زہر تھی اس لیے میں نے پھینک دی ہے۔

ڈاکٹر نے پوچھا: کس سے چیک کرائی ہے؟ اس نے کہا: فلاں موچی سے ڈاکٹر نے کہا: ارے بے وقوف تو میری بات کو سمجھا ہی نہیں۔ تو میرا جملہ ہی نہیں سمجھا، میں نے جو کہا تھا کہ میری دوا چیک کر لینا اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ فلاں موچی سے چیک کرانا، مطلب یہ تھا کہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر سے چیک کرانا، تو میرا جملہ

سمجھا ہی نہیں ہے، میری دوائی کو چیک کراتا لیکن ایم بی بی ایس ڈاکٹر سے، کسی اسپیشلسٹ سے، اگر وہ کہتا کہ یہ زہر ہے اس کو پھینک دو تب مجھ سے ہزار روپیہ بھی لیتا تو میں دے دیتا۔ تو نے چیک کرایا بشیر موچی کو، اس کو کیا پتہ کہ گولیاں کیا ہوتی ہیں، اوتے جوتیاں سینداے تو اس کو لوں گولیاں چیک کر انداں اے! (وہ تو جوتے سینتا ہے تو اس کو گولیاں چیک کراتا ہے!)۔

تو میں نے اس لڑکے سے کہا: بیٹا تو امام صاحب کی بات سمجھا ہی نہیں، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جو فرمایا ہے کہ میرا مسئلہ چیک کرالو، چیک کرانے کا مطلب یہ ہے امام مالک سے چیک کرالو، امام شافعی سے چیک کرالو، امام احمد سے چیک کرالو، امام بخاری سے چیک کرالو، یہ آج کانڈیریایں بیچنے والا چیک نہ کرے، یہ کپڑے کی دکان والا چیک نہ کرے، یہ جوتے کی دکان والا چیک نہ کرے، یہ سنار اچیک نہ کرے، امام صاحب کے مسئلے کو امام چیک کرے۔ اب بات آپ کی سمجھ میں آئی؟ میں نے اس سے کہا: تو امام صاحب کی بات سمجھ لیتا تو چیک ہی نہ کرتا، تجھے ہمت ہی نہ ہوتی چیک کرنے کی۔

مسئلہ سمجھ لیتا توفیقہ حنفی کبھی نہ چھوڑتا:

دوسری بات میں نے اسے کہی کہ اگر تو امام صاحب کا مسئلہ سمجھ لیتا توفیقہ حنفی کبھی نہ چھوڑتا۔ مجھے کہنے لگا: جی وہ کیسے؟ میں نے کہا: میں تجھ سے دو مسئلے پوچھتا ہوں پھر تجھے بات سمجھ آئے گی۔ کہنے لگا: مجھ سے مسئلے پوچھیں گے؟ میں نے کہا: جی ہاں میں تجھ سے پوچھتا ہوں اگر تجھے آتے ہیں تو بتا دینا، میں نے تجھے تنگ تھوڑا ہی کرنا ہے، میں نے تو مسئلہ سمجھانا ہے۔ کہنے لگا: جی پوچھیں۔

کفارہ کی کھجور اپنے گھر والوں کو کھلا دو!

میں نے کہا: حدیث مبارک میں ہے کہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم تشریف فرماتھے، ایک شخص آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے روزہ رکھا ہوا تھا اور اپنی بیوی کے پاس چلا گیا اب میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک غلام آزاد کرو، یہ کفارہ ہے۔ اس شخص نے عرض کی: حضور! میں اپنی گردن کے علاوہ کسی کا مالک نہیں ہوں، میں غلام کہاں سے آزاد کروں گا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تو پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بھی میرے بس میں نہیں ہے کہ میں دو ماہ کے مسلسل روزے رکھوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: اچھا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ! اس نے کہا: حضور! غریب آدمی ہوں، ساٹھ کو کھانا کہاں سے کھلاؤں گا؟

وہاں بیٹھے ہی تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے ایک ٹوکری کھجوروں کی دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سائل کو بلا کر فرمایا: یہ ٹوکری کھجوروں کی لے جاؤ اور صدقہ کر دو۔

اس نے کہا: حضور! مدینہ بھر میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے۔ اس جواب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے اور فرمایا: چلو اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 1936 وغیرہ)

میں نے اس نوجوان سے کہا: بیٹا! مجھے بات بتا کہ اگر تجھ جیسا کوئی چیکر۔ چیکر کا معنی سمجھ گئے ناں میں کن کو کہہ رہا ہوں۔ اگر کوئی چیکر روزہ رکھ لے اور روزے کی حالت میں بیوی کے پاس چلا جائے اور مسجد کے امام صاحب کے پاس آجائے کہ مولانا! مجھے کھجوریں کھلائیں! تو کیا اس کو کھجوریں کھلانا ٹھیک ہے؟ مجھے کہتا ہے: نہیں۔ میں نے کہا: جب حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو کھجوریں کھلائیں تو کیسے کہتا ہے کہ ٹھیک نہیں؟

حضرت خزیمہ کی گواہی دو کے برابر:

میں نے اس سے کہا: ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی سے گھوڑا خریدا اور اس کو ساتھ لے گئے تاکہ وہ شخص گھوڑے کی قیمت وصول کر کے جلدی سے رخصت ہو جائے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی روانہ ہو گئے اور وہ دیہاتی دیر سے روانہ ہوا۔ لوگوں نے اس دیہاتی سے اسی گھوڑے کی قیمت طے کرنا شروع کر دی، ان لوگوں کو پتا نہیں تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں۔

اس لیے بعض حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیمت خرید سے بھی زیادہ کا بھاء لگا دیا۔ اس دیہاتی نے جب زیادہ قیمت کا سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی کہ اگر آپ اس گھوڑے کو خریدتے ہیں تو ٹھیک ورنہ میں کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں نے تم سے یہ گھوڑا خریدا نہیں؟ یہ گھوڑا میں تو تم سے خرید چکا ہوں۔ اس دیہاتی نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے گھوڑا آپ کو بیچا ہی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم سے گھوڑا خریدا چکا ہوں۔

جب یہ بات شروع ہوئی تو لوگ جمع ہو گئے۔ گفتگو کے دوران اس دیہاتی نے یہ مطالبہ رکھ دیا کہ آپ اس بات پر گواہ پیش کریں کہ میں گھوڑا آپ کو فروخت کر چکا ہوں۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے رسول اللہ کے ہاتھ گھوڑا فروخت کیا ہے۔

چونکہ سودا کرتے وقت حضرت خزیمہ وہاں موجود نہ تھے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کس طرح گواہی دیتے ہو؟ تم تو موقع پر

موجود نہیں تھے۔

حضرت خزیمہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں جان چکا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (حضرت جبرائیل آپ کے پاس آتے بھی ہیں، آپ کے ہاں سے جاتے بھی ہیں، ہم نے کبھی نہیں دیکھا لیکن آپ کے فرمانے پر مان لیا، ہم جبرائیل امین کا آسمان سے آنا اور جانا آپ کے بتانے پر مان سکتے ہیں تو گھوڑے کا خریدنا آپ کے فرمانے پر کیوں نہیں مان سکتے؟) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنا خوش ہوئے کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ شَهِدَ لَهُ خُرُوجُهُ... فَهُوَ حَسْبُهُ

(سنن النسائي: ج 4661، السنن الكبرى للبيهقي: ج 21021 وغیرہ)

کیس میں مدعی کے حق میں فیصلہ تب ہوتا ہے جب دو گواہ آئیں، فرمایا: خزیمہ اتنا عظیم آدمی ہے کہ یہ ایک بھی آجائے تو دو کی جگہ پر ہے، اس کے ہوتے ہوئے قاضی کو عدالت میں دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اب میں نے اس نوجوان سے کہا: مجھے بتاؤ! اگر کمرہ عدالت میں جج بیٹھا ہو، مدعی آجائے اور اپنے حق میں ایک گواہ پیش کرے اور وہ گواہ چیکر ہو۔ چیکر کا معنی سمجھ رہے ہونا! مطلب غیر مقلد ہو۔ اب گواہ پیش کرے جو چیکر ہو، جج کہے: ہاں بھائی گواہی دو۔ وہ گواہی دے دے۔ جج کہے: جی دوسرا گواہ لاؤ! اب وہ چیکر گواہ کہتا ہے: جی! میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ جج پوچھے: کیوں؟ وہ کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور نے گھوڑا خریدا ہے اور یہودی نے بیچا ہے۔

جج کہتا ہے: یہ بات اپنی جگہ پر ٹھیک ہے لیکن دوسرا گواہ لاؤ! چیکر کہتا ہے کہ جب حضرت خزیمہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خزیمہ دو کی جگہ پر ہے تو جب میں یہی گواہی دیتا ہوں تو آپ مجھے دو کی

جگہ پر کیوں نہیں مانتے؟

میں نے اس نوجوان سے کہا: آپ بتاؤ! حج اس شخص کی بات کو مان لے گا؟ کہنے لگا: نہیں۔ میں نے کہا اس کی وجہ سمجھو کہ حج اس کی بات کیوں نہیں مانے گا۔

قانون اور اعزاز میں فرق:

ایک ہے قانون وکلیہ اور ایک ہے صحابی کی خصوصیت اور اعزاز، قانون اور کلیہ یہ ہے اگر کسی نے روزہ رکھ کر جان بوجھ کر توڑ دیا تو غلام آزاد کرے، نہیں آزاد کر سکتا تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، نہیں رکھ سکتا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور یہ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا: ”کھجور اپنے گھر والوں کو کھلا دو“ یہ قانون نہیں ہے یہ اس کی خصوصیت ہے اور اس کا اعزاز ہے۔ قانون اپنی جگہ پر رہتا ہے، اعزاز اپنی جگہ پر رہتا ہے۔ خصوصیت سے کبھی قانون نہیں بدلا کرتے۔

اگر عدالت میں مدعی آئے تو اس کو گواہ دو پیش کرنا پڑیں گے یہ قانون ہے، حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ اکیلے دو کی جگہ پر ہیں یہ قانون نہیں ہے، یہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے، ان کا اعزاز ہے، اس اعزاز کی وجہ سے قانون نہیں بدلتا۔

میں مثال عرض کرتا ہوں کہ آپ کے دو بلاک کی مسجد میں نماز عشاء سو آٹھ بجے ہوتی ہے، ایک دن نماز 08:20 پہ ہو تو لوگ پوچھیں گے: جی! آج آٹھ بیس پہ کیوں ہوئی؟ تو آپ کے امام صاحب فرماتے ہیں کہ بھائی! آج مولانا الیاس گھمن صاحب ہمارے مہمان ہیں، یہ دور سے آئے ہیں، وضو کر رہے تھے، ان کے اعزاز میں ہم نے پانچ منٹ تاخیر کی ہے۔ اب کل کوئی دکاندار آجائے اور کہے: مولانا صاحب! ذرا پانچ منٹ ٹھہرنا میں وضو کر لوں۔

امام صاحب فرمائیں گے: جی نماز وقت پر ہوگی، تاخیر نہیں ہو سکتی۔ جی: کل پانچ منٹ تاخیر سے ہوئی تھی آج نہیں ہو سکتی؟ اب بتاؤ اس دکاندار کی بات ٹھیک ہے یا غلط ہے؟ [غلط ہے۔ سامعین] کیوں کہ ایک ہے آپ کی مسجد کا قانون اور ایک ہے کسی مہمان کا اعزاز، اعزاز سے قانون پر فرق نہیں پڑتا، قانون قانون رہتا ہے، اعزاز اعزاز رہتا ہے۔

میر امام قانون بھی جانتا ہے اور اعزاز بھی:

روزہ ٹوٹ جائے تو کفارے کے مسئلہ پہ ایک قانون ہے اور ایک صحابی کا اعزاز ہے، گواہ کے مسئلہ پر ایک قانون ہے اور ایک صحابی کا اعزاز ہے، اسی طرح جمعہ کے دن خطبے کے وقت ایک قانون ہے، وہ قانون اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے: إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلَا صَلَاةَ وَلَا كَلَامَ . (مجمع الزوائد للہیثمی: ج 2 ص 407)

کہ جب کوئی بندہ مسجد میں آئے اور امام منبر پر خطبہ دے رہا ہو تو اب نماز بھی نہیں پڑھنی اب باتیں بھی نہیں کرنی۔

قانون یہی تھا اسی وجہ سے صحابی آکر بیٹھ گیا، اور یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز پڑھی ہے؟ اور صحابی نے کہا کہ نہیں پڑھی اور حضور نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پڑھ لو، تو یہ اس صحابی کا اعزاز ہے، اعزاز سے قانون نہیں بدلتے۔ میں نے کہا: میرا امام امام اعظم ابو حنیفہ قانون بھی جانتا ہے صحابہ کا اعزاز بھی جانتا ہے، تجھے یا تو قانون کا پتہ نہیں یا اعزاز کا پتہ نہیں۔ خدا گواہ ہے وہ لڑکا حنفی ہو گیا، اس نے کہا: مولانا صاحب مجھے بات سمجھ آگئی ہے۔

اے مولانا گھمن اے!

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بندے حنفی نہیں ہوتے، ابھی میرے مدرسے میں

ایک طالب علم پڑھ رہا ہے درجہ اولیٰ میں، اس کی عمر غالباً 26 یا 27 سال ہے، یہ پیدائشی اہل حدیث ہے، حنفی ہوا اور چارہ ماہ تبلیغی جماعت میں لگائے، اب میرے پاس پہلے درجے میں سبق پڑھ رہا ہے۔ اس نے کہا: استاذ جی! میں بھی حنفی ہو گیا ہوں اور میرے گھر میں دو ہمیشہ ہیں وہ بھی حنفی ہو گئی ہیں، میرے علاقے کے لوگ میرے بارے میں کہتے ہیں کہ اے مولانا گھمن اے (یہ مولانا گھمن ہے) اس کے ساتھ بات کوئی نہیں کر سکتا، میں آپ کے بیانات سنتا ہوں اور آپ کے بیانات کی برکت یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ مجھ سے گفتگو کرنا چاہے تو عام بندہ مجھ سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ اللہ ہم سب کو بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خلاصہ درس:

میں آخر میں خلاصہ کے طور پر مختصر سی بات عرض کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کے بعد اب قیامت تک کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا، اب امت کی راہنمائی کریں گے:

☞ نمبر 1: خلفاء راشدین

☞ نمبر 2: صحابہ کرام

☞ نمبر 3: فقہاء کرام

☞ نمبر 4: علماء کرام

اللہ پاک ہم سب کو عقیدہ ختم نبوت پر کار بند رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ختم نبوت کی برکت سے جو نعمتیں ملی ہیں ان نعمتوں کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

امت کے رہنما طبقات
(حصہ چہارم: علماء کرام)

تاریخ: 6 دسمبر 2014ء

مقام: جامع مسجد موتی 2 بلاک سرگودھا

امت کار ہنما طبقہ (علماء کرام)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْہِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّہْدِیْہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ
وَمَنْ یُّضِلِّہٗ فَلَا هَادِیَّ لَہٗ وَنَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْہَدُ اَنَّ
سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ
الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبًا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ
رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَكَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾

(سورۃ الاحزاب: 40)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِی

(مسند احمد: 22395 عن ثوبان)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَعَلٰی
اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ
عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ۔

تمہید:

شاید آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ ہمارا درس حدیث جس عنوان پر چل رہا ہے وہ عنوان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا یا یوں کہہ لیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا۔ سوال یہ تھا کہ امت کی راہنمائی کون کرے گا؟ اس عنوان پر ہمارے تین درس ہو چکے ہیں، درمیان میں رمضان المبارک آگیا تھا تو درس حدیث ”ترواح“ کے عنوان پر ہوا، پھر اس کے بعد عید الاضحیٰ آگئی قربانی پر درس ہوا، پھر بعد میں محرم آگیا، آپ حضرات کا بھی عذر تھا،

ادھر رائیونڈ کا اجتماع تھا اور ادھر ہمارے درس کا دن آگیا اور میری مجبوری یہ تھی کہ ان دنوں میں پاکستان میں نہیں تھا، میرا بیرون تین چار ملکوں کا سفر تھا اس لیے درمیان میں انقطاع ہو گیا۔ آج کے اس درس کو آپ ہمارے اس عنوان کی آخری قسط سمجھ لیں۔

آپ علیہ السلام کے بعد امت کی رہنمائی کون کرے؟

بات یہ چل رہی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کائنات کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا تو امت کی رہنمائی کون کرے گا؟ آخر امت لا وارث تو نہیں ہے، امت بے یار و مددگار تو نہیں ہے، جب اس نے قیامت تک رہنا ہے تو امت مسائل کا حل کن سے پوچھے گی؟ مذہبی رہنمائی کن سے لے گی؟ شریعت کے احکام کن سے معلوم کرے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے اس امت کی رہنمائی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی ذمہ داری ہے، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا دور؛ دورِ خلافت راشدہ اتنا اہم دور ہے کہ ان کی سنت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت قرار دیا ہے، ان کا دور تکمیل نبوت کا دور ہے، ”تکمیل نبوت“ کا معنی یہ ہے کہ وہ کام جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرنا چاہتے تھے اور کسی عذر کی وجہ سے نہیں کر سکے وہ خلفاء راشدین نے کئے۔ اس کی ایک مثال بھی ذہن میں رکھ لیں تاکہ عنوان آپ کے ذہن میں آجائے۔

تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل:

بیس رکعات تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنا یہ سنت مؤکدہ ہے۔ اب ہمارے ذہنوں میں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ سنت مؤکدہ تو اس عمل کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ فرمایا ہو، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی

کیا اور کبھی چھوڑ دیا تو یہ سنت تو ہے لیکن مؤکدہ نہیں ہے بلکہ غیر مؤکدہ ہے، جیسے عصر کے فرائض سے پہلے چار سنتیں ہیں، کبھی پڑھی ہیں اور کبھی چھوڑ دی ہیں اور ظہر سے پہلے کی چار سنتیں اور بعد کی دو سنتیں یہ سنت مؤکدہ ہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھی ہیں۔ توجہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ترواح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

تو اس کا معنی یہ ذہن میں یہ آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھی ہیں۔ اب کوئی بندہ آپ سے پوچھے کہ بیس رکعات ترواح جو آپ پورا مہینہ جماعت کے ساتھ پڑھتے ہو، اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ تو آپ سب نے یہی جواب دینا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھی ہے، اس کے علاوہ آپ نے کوئی اور جواب نہیں دینا۔ میں جو یہ کہہ رہا ہوں کہ ”آپ نے کوئی اور جواب نہیں دینا“ تو آپ میرے اس ”نہیں“ کو توڑ نہیں سکتے، آپ کے بس میں نہیں ہے اس ”نہیں“ کو توڑنا۔

میں جب یہ سوال علماء کے ہزاروں کے اجتماع میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی بندہ پوچھے کہ بیس رکعات ترواح جماعت کے ساتھ جو آپ پورا مہینہ پڑھتے ہیں اس کا ثبوت کیا ہے؟ تو علماء بھی یہ بات کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا مہینہ جماعت کے ساتھ ترواح کروائی تھی، تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے تو پھر یہ ”سنت مؤکدہ“ کیسے ہوئی؟ اور ”سنت مؤکدہ“ کسے کہتے ہیں؟

جو خلیفہ راشد کی سنت ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہو؟ [حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ سامعین] اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ایسی کہ آپ نے مسلسل پڑھی ہو کبھی چھوڑی ہی نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے تراویح کی جماعت تین رات کرائی ہے؛ تئیس (23)، پچیس (25)، ستائیس (27) رمضان۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاوہ جماعت نہیں کرائی تو سوال یہ ہے کہ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا مہینہ جماعت کرائی ہی نہیں ہے تو پھر آپ ”سنت مؤکدہ“ کیوں کہتے ہیں؟

آپ کہیے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ ہے۔ یہ وہ سوال ہے کہ اس وقت عام آدمی کیا اچھے خاصے عالم سے جواب نہیں بنتا۔ اس موقع پر وہ لوگ جو بیس رکعات تراویح نہیں پڑھتے ان کو بغلیں بجانے کا موقع ملتا ہے کہ تمہارے پاس دلیل ہی نہیں۔

ہمارا کام:

اب ہمارا کام کیا ہے؟!... یہ میں بڑی بے تکلفی سے کہتا ہوں... جہاں جہاں امت الجھتی ہے تو پھر وہاں ہماری باری شروع ہوتی ہے۔ جہاں پر لوگوں نے پھنسنا ہے ہم نے نکالنا ہے۔ ڈاکٹر کا میدان یہی ہے کہ جہاں پر مریض تڑپے تو پھر ڈاکٹر کا انجکشن کام کرتا ہے۔ جن کو ہمارا پورا کام سمجھ نہیں آتا وہ الجھن کا شکار ہوتے ہیں کہ ان کا پورا کام کیا ہے؟

حضور کی خواہش اور حضرت عمر کی تکمیل:

اب یہ بات سمجھیں کہ بیس رکعات تراویح سنت مؤکدہ کیسے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تئیس (23) رمضان کو جماعت کرائی، پھر پچیس (25) کو جماعت کرائی، پھر ستائیس (27) رمضان کو، اٹھائیس (28) کی رات کو فرائض پڑھے اور اپنے اعتکاف والے خیمہ میں تشریف لے گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین خیمہ کے باہر آگئے۔ کافی دیر تک انتظار کرتے رہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ سے باہر تشریف لے کر

نہیں آئے۔ صبح فجر کی نماز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصلیٰ پر کھڑے ہوئے، نماز پڑھائی، جب نماز ادا فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَى شَأْنِكُمُ اللَّيْلَةَ .

میرے علم میں تھا کہ تم لوگ گزشتہ رات باہر میرے خیمہ کے پاس تھے لیکن میں جان بوجھ کر نہیں نکلا، کیوں؟
خشیت أن يفرض عليكم .

مجھے خدشہ تھا کہ یہ نماز کہیں تمہارے اوپر فرض نہ ہو جائے۔

(مسند اسحاق بن راہویہ: رقم الحدیث 827، المعجم الاوسط للطبرانی: رقم الحدیث 1043)
اب بتاؤ! تراویح کی جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی یا نہیں؟ [خواہش تھی۔ سامعین] اب اس بات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھے ہیں، یہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا مہینہ تراویح کی جماعت کروائی ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہے؟ [حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہے۔ سامعین]

خواہش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے لیکن پوری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواہش پوری کیوں نہیں فرمائی؟ اس کی وجہ خود بیان فرمادی کہ اگر میں اہتمام کروں گا تو یہ نماز فرض ہو جائے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہتمام کرائیں گے تو فرض نہیں ہوگی... تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی لیکن اہتمام نہیں کیا اس لیے کہ عذر تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہتمام میں فرض والا عذر نہیں تھا، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے پورا مہینہ اس کا اہتمام کر دیا، اب عذر بھی ختم ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بھی پوری ہو گئی۔ [سبحان اللہ۔ سامعین]

دورِ خلافتِ راشدہ تکمیلِ نبوت کا دور:

تو یہ خلافتِ راشدہ کے دور میں کیے ہوئے کام ہیں، اس لیے کہتے ہیں کہ دورِ خلافتِ راشدہ تکمیلِ نبوت کا دور ہے۔ جو کام اللہ کے نبی فرمانا چاہتے تھے اور کسی عذر کی وجہ سے نہ کر سکے تو وہ کام خلفاءِ راشدین نے کیے۔

ظہر کی چار سنتیں اہتمام کے باوجود فرض کیوں نہیں؟

میں سوال اور جواب آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کا اہتمام اس لیے نہیں فرمایا تھا کہ کہیں فرض نہ ہو جائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی چار سنت کا اہتمام فرمایا ہے پھر وہ فرض کیوں نہ ہوئیں؟ اور تراویح کے اہتمام سے وہ کیسے فرض ہو جاتی؟ سوال سمجھ میں آگیا؟ [جی۔ سامعین] اب جواب سمجھیں! ایک ہے اکیلے نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا اور ایک ہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا، بات سمجھ میں آگئی؟! ظہر کی سنتیں مؤکدہ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھی ہیں لیکن جماعت نہیں کروائی، اگر جماعت کا اہتمام فرماتے تو پھر ظہر کی سنتوں نے بھی فرض ہو جانا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تراویح کا اہتمام نہیں کیا، تراویح کا اہتمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، تراویح سنت ہے لیکن تراویح کی جماعت کا اہتمام نہیں فرمایا کیونکہ اگر تراویح کی جماعت کا اہتمام فرماتے تو اس نے فرض ہو جانا تھا اس لیے کہ جماعت فرضوں کی ہوتی ہے۔

میں صرف ایک مثال دے رہا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی راہنمائی خلفاءِ راشدین نے کرنی ہے اور خلیفہ راشد کی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت سمجھی جاتی ہے کیونکہ تمنا نبی کی ہوتی ہے اور پورا خلیفہ راشد کرتا ہے۔

اب جن لوگوں کو بات سمجھ میں نہیں آتی وہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بدعت ہے، بھائی! یہ بدعت نہیں ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہے جس کی تکمیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔ خلفاء راشدین کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی راہنمائی کی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے، پھر ان کے بعد امت کی راہنمائی کی ہے فقہاء کرام نے۔

فقہ کی ضرورت کیوں؟

فقہ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کے لیے بنیادی طور پر تین وجوہات اپنے ذہن میں رکھ لیں۔

وجہ نمبر 1:

دین عربی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت عربی کم اور عجمی زیادہ ہے۔ تو اب امت کو دین سمجھاتا کون؟ اب ایسے افراد چاہیے تھے جو عربی سمجھیں اور عجمیوں کو سمجھائیں۔ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ضرورت تھی۔

وجہ نمبر 2:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عرب و عجم کے نبی ہیں اور عجم کے سفر آپ نے نہیں کیے۔ اب ایسے افراد چاہیے تھے جو عرب سے دین لیں اور عجم کو پہنچائیں۔

وجہ نمبر 3:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والے قرآن پاک کی آیات تقریباً پونے سات ہزار ہیں اور احادیث کی تعداد تقریباً چار ہزار، دس ہزار یا زیادہ سے زیادہ گیارہ ہزار ہیں، اس سے زیادہ احادیث کی تعداد نہیں ہے اور امت کے مسائل تو پچاس کروڑ سے بھی زیادہ ہیں۔ ابھی اگر میں آپ سے کہوں کہ کوئی ساتھی مسئلہ

پوچھنا چاہتا ہے تو پوچھ لے تو تم میں سے ہر بندہ ایک ایک مسئلہ بھی پوچھے تو سو مسئلے تو اب بن جائیں گے، اسی طرح کل چار بلاک میں اعلان کروں اور پرسوں ایک بلاک میں کروں کہ جس نے کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو پوچھ لے... تو اب امت میں کروڑوں امتی ہیں تو مسائل بھی کروڑوں ہوں گے۔ اب احادیث کتنی ہیں؟ [گیارہ ہزار۔ سامعین] اور مسائل کتنے ہیں؟ [کروڑوں۔ سامعین]

اب سوال یہ ہے گیارہ ہزار احادیث سے کروڑوں مسائل نکلیں گے کیسے؟ اب ایسے عالم چاہیں جو احادیث سے مسائل نکالتے جائیں اور امت کو بتاتے جائیں۔ یہ ضرورت پوری کریں گے فقہاء۔ اب ہمارے سامنے تین باتیں آگئیں:

نمبر 1: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دین عربی میں ہے، ایسا بندہ چاہیے جو عربی کو سمجھے اور عجیبوں کو سمجھائے۔

نمبر 2: ایسا بندہ چاہیے جو دین عربوں سے لے کر عجیبوں کو دے سکتا ہو۔

نمبر 3: ایسا بندہ چاہیے جو آیات اور احادیث کی تہہ میں چھپے ہوئے مسئلے نکال کر امت کو دے سکتا ہو۔

جن کے اندر یہ خوبیاں ہوں انہیں کہتے ہیں ”فقہاء“۔ اب فقیہ کی ذمہ داری ہے احادیث سے مسئلہ نکالنا اور امت کو دینا۔ تو امت کی راہنمائی فقہاء اس طرح کرتے ہیں۔ اگر فقہاء نہ ہوں تو امت کی راہنمائی دنیا میں ممکن ہی نہیں ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہاں ایک شبہ کا جواب ذہن میں رکھ لیں تاکہ کوئی بندہ آپ کو پریشان نہ کر سکے۔ کوئی بندہ آپ کو کہہ سکتا ہے کہ ”امام بخاری رحمہ اللہ کو تو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں اور آپ کے مولانا صاحب کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث گیارہ ہزار سے زیادہ نہیں، جب احادیث ہیں ہی گیارہ ہزار ہیں تو امام بخاری

رحمہ اللہ چھ لاکھ کے حافظ کیسے ہو گئے؟“ جواب اچھی طرح ذہن نشین فرما لیں۔ حدیث میں دو چیزیں ہوتی ہیں:

نمبر 1: سند

نمبر 2: متن

سند اور متن میں کیا فرق ہے؟ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے: حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ اشْكَاظٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فَضِيلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث بیان کی ہے احمد بن اشکاب نے، ان کو بیان کی ہے محمد بن فضیل نے، انہوں نے عمارہ بن قعقاع سے سنی، انہوں نے ابو زرہ سے سنی اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ یہ جو درمیان میں راویوں کے نام ہیں ان کو کہتے ہیں ”سند“ اس کے بعد صحابی فرماتے ہیں: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ.

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کلمے اللہ کو بہت محبوب ہیں، زبان پر بہت ہلکے ہیں اور میزان میں بہت بھاری ہیں، (وہ کلمے یہ ہیں) ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے اس کو کہتے ہیں ”متن“۔

اب حدیث میں دو چیزیں ہوتی ہیں

نمبر 1: متن

نمبر 2: سند

اب یہ جو میں نے کہا تھا کہ احادیث گیارہ ہزار ہیں اس سے مراد متن ہیں۔ متن کا معنی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا... یا... اللہ کے نبی نے کوئی کام کیا۔ محدثین کی عادت ہوتی ہے کہ ایک متن کو اگر پچاس راوی نقل کریں تو وہ اس کو پچاس حدیثیں کہتے ہیں، حدیث ایک ہوتی ہے اور سندیں پچاس۔ حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے:

تَوَضَّأَ وَمَسَّحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔

(صحیح البخاری: ج 1 ص 33 باب المسح علی الخفین)

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔ یہ حدیث ایک ہے اور نقل کتنے حضرات نے کیا؟ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حَدَّثَنِي سَبْعُونَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔

(التلخیص الجبیر: ج 1 ص 158 باب المسح علی الخفین)

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر مسح فرمایا کرتے تھے۔ جب ستر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا تو محدثین فرمائیں گے کہ موزوں پر مسح کرنے کی ستر احادیث ہیں۔ اب بتاؤ! حدیث تھی کتنی؟ [ایک۔ سامعین] اور بنیں کتنی؟ [ستر۔ سامعین] تو یہ جو کہتے ہیں کہ ”چھ لاکھ احادیث یاد ہیں“ تو یہ چھ لاکھ سندوں کے اعتبار سے ہے اور اگر متن کو دیکھیں تو گیارہ ہزار سے زیادہ نہیں بنیں گی۔ اب بات پوری ذہن میں آئی؟ (جی ہاں۔ سامعین)

اب جو ساتھی مسائل یا درس نہیں سنتے تو ان کو یہ الجھنیں تو پیدا ہوں گی کہ اگر میں نے کسی ایک درس میں کہہ دیا کہ احادیث کی تعداد گیارہ ہزار ہے تو اس نے

باہر جا کر کہنا ہے کہ مولانا صاحب جھوٹ بول رہے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ کو تو چھ لاکھ یاد تھیں اور مولانا صاحب گیارہ ہزار کہہ رہے ہیں، اس بے چارے نے سارا درس سنا ہی نہیں، اسے کیا پتہ کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے؟! تو لوگ پوری بات نہیں سنتے آدھی بات سنتے ہیں اور پھر الزامات لگا دیتے ہیں، تو جب پوری بات سنتے تو سارے خدشات ختم ہو جاتے۔

فقہاء کے کام کی مثال:

خیر میں عرض کر رہا تھا کہ فقیہ کی ذمہ داری ہے احادیث سے مسئلہ نکالنا اور امت کو دینا۔ اس کی مثال ایسے سمجھیں کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو جتنے مسئلے چاہیے تھے وہ سارے مسئلے اللہ تعالیٰ نے احادیث کے نیچے رکھے دیے ہیں۔ اوپر کیوں نہیں رکھے؟ اگر اللہ تعالیٰ کروڑوں مسئلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ امت کو دے دیتے تو ان کو لکھتا کون؟ اور ان کو چھاپتا کون؟ اور ان کو خریدتا کون؟ یہ بڑا مشکل کام تھا تو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے مسئلے احادیث کے نیچے رکھ دیے اور جب مسئلہ پیش آئے تو نکال کر امت کو دینے کے لیے فقہاء دے دیے۔

اس کی مثال بالکل ایسے ہے جیسے قیامت تک آنے والے انسانوں کو جتنا پانی چاہیے تھا اللہ تعالیٰ نے وہ زمین کے نیچے رکھ دیا ہے، اگر وہ سارا پانی اللہ تعالیٰ زمین کے اوپر رکھ دیتے تو سیلاب میں سارے لوگ ڈوب جاتے اور امت غرق ہو جاتی۔ قیامت تک آنے والے انسانوں کو جتنے پانی ضرورت تھی وہ زمین کے نیچے رکھ دیا اور جب پانی کی ضرورت ہو تو نکالنے کے لیے انجینئر دے دیے۔ یہ اللہ کا احسان و کرم ہے۔

اب دیکھو! زمین میں پانی پہلے سے ہے، انجینئر نے کوئی نیا کام نہیں کیا بلکہ

جو پانی زمین کی تہہ میں تھا اسے نکال کر امت کو دے دیا۔ جتنا پٹرول قیامت تک آنے والی گاڑیوں کو چاہیے تھا خدا نے وہ سارا زمین کی تہہ میں رکھ دیا ہے، اوپر رکھ دیتے تو آگ لگ جاتی، اب جتنا پٹرول چاہیے تو اسے نکالنے کے لیے امت کو انجینئر دے دیے ہیں۔ بالکل اسی طرح جتنے مسائل قیامت تک کے انسانوں کو چاہیے تھے وہ احادیث کے نیچے رکھ دیے ہیں اور جب ضرورت پیش آجائے تو نکال کر دینے کے لیے امت کو ”فقہاء“ عطاء کر دیے ہیں۔ [سبحان اللہ۔ سامعین]

امام ابو حنیفہ کی تقلید کی وجہ:

اب اس سے ایک بات اچھی طرح سمجھیں۔ جس امام کے ہم مقلد ہیں اس کا نام ہے ”نعمان بن ثابت“ ہے اور ”ابو حنیفہ“ ان کی کنیت ہے۔ بڑے امام چار ہیں۔

☞ نعمان بن ثابت ابو حنیفہ

☞ مالک بن انس

☞ محمد بن ادریس الشافعی

☞ احمد بن محمد بن حنبل - رحمہم اللہ -

ہم نے تقلید کی ہے ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کی۔ اگر کوئی بندہ آپ سے پوچھے کہ آپ نے ان کی تقلید کیوں کی ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اس کی کئی وجہیں ہیں:

وجہ نمبر 1:

دین عربی ہے اور جانا عجیبوں کے پاس ہے، تو بہتر یہ ہے امام ایسا ہو جو عربی اور عجمی دونوں کو سمجھتا ہو، امام مالک عربی ہیں عجمی نہیں جانتے، امام شافعی عربی ہیں عجمی نہیں جانتے، امام احمد بن حنبل عربی ہیں عجمی نہیں جانتے اور امام ابو حنیفہ ایسے ہیں جو فارسی النسل ہیں جو عربی بھی جانتے ہیں اور عجمی بھی جانتے ہیں، تو امام ایسا ہونا

چاہیے جو عجمی اور عربی دونوں جانتا ہو تاکہ دین عجمیوں کو دے اور وہ چاروں میں تنہا امام ابو حنیفہ ہیں۔

وجہ نمبر 2:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب و عجم کے نبی ہیں لیکن آپ کے سفر عجم کے نہیں ہیں بلکہ سارے سفر عرب کے ہیں۔ اب ہمیں ایسا امام چاہیے جو عرب سے دین لے اور عجم کو دین دے اور وہ تنہا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ آپ کہیں گے وہ کیسے؟ میں کہتا ہوں اس لیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ مصر کے ہیں اور عربی ہیں، امام مالک رحمہ اللہ مدینہ المنورۃ کے ہیں اور عربی ہیں، امام احمد بن حنبل عراق کے ہیں اور عربی ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کوفہ کے ہیں اور کوفہ سنگم ہے؛ ادھر عجم ہے اور ادھر عرب ہے، درمیان میں کوفہ ہے، خدا نے ہمارا امام ایسی جگہ پہ پیدا فرمایا ہے جو عرب سے لیتا ہے اور عجم کو دیتا ہے۔

امام ابو حنیفہ؛ سراج الامة:

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو کہتے ہیں ”سراج الامة“ اور سراج الامة کا معنی ہے ”امت کا چراغ“، لوگوں نے الزام لگا رکھے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مسئلے بناتا ہے، خدا کی قسم! یہ بالکل جھوٹ ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مسئلے بناتے نہیں بلکہ وہ تو سراج الامة ہیں، امت کے چراغ ہیں اور چراغ مسئلہ بنایا نہیں کرتا بلکہ مسئلہ دکھایا کرتا ہے۔ رات آپ تہجد کے لیے اٹھے اور آپ نے نماز پڑھی، اس کے بعد آپ نے تلاوت کرنی ہے لیکن لوڈ شیڈنگ ہو اور آپ کو الفاظ نظر نہ آرہے ہوں، جب بجلی آجائے اور لائٹ روشن ہو جائے جس کی وجہ سے آپ کو الفاظ نظر آجائیں تو اس لائٹ نے الفاظ بنائے نہیں ہیں بلکہ لکھے ہوئے الفاظ دکھائے ہیں۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ چراغ ہیں، وہ مسئلہ بناتے نہیں بلکہ بنا ہوا مسئلہ

دکھاتے ہیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلے بنائے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے مسئلے بتائے ہیں۔ [سبحان اللہ۔ سامعین]

فقہ حنفی نبی کے دور میں تھی:

اب ایک بات آپ ذہن نشین فرمائیں۔ مسئلے بنانے والے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دکھانے والے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں، تو ہماری فقہ کا نام ”فقہ حنفی“ ہے۔ اب اگر کوئی بندہ یہ کہہ دے کہ یار! فقہ حنفی اللہ کے نبی کے دور میں نہیں تھی۔ تو آپ اس بندے کو کہہ سکتے ہیں کہ ”آپ جھوٹ بولتے ہیں، فقہ حنفی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی“ وہ آپ سے پوچھے گا: ”بھائی! امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھے؟“ تو آپ کہیں گے: نہیں! تو وہ کہے گا: جب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اللہ کے نبی کے دور میں نہیں تھے تو فقہ حنفی کیسے تھی؟“

آپ اس بندے سے پوچھیں: یہ بتاؤ! یہ بخاری کی حدیثیں اللہ کے نبی کے دور میں تھیں؟ تو وہ کہے گا: تھیں! تو آپ کہو: جب امام بخاری اللہ کے نبی کے دور میں نہیں تھے تو یہ بخاری شریف کیسے تھی؟ وہ کہے گا: حدیثیں اللہ کے نبی کے دور میں تھیں لیکن لکھ کر امام بخاری نے دی ہیں۔ آپ بھی کہنا کہ مسئلے بھی حدیثوں کی تھے میں اللہ کے نبی کے دور میں تھے لیکن نکال کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے دیے ہیں۔ [سبحان اللہ۔ سامعین]

اس کی مثال سمجھیں... آپ جہاں بیٹھے ہیں دو بلاک موتی مسجد میں اس کو بنے ہوئے کتنے سال ہوئے؟ اندازہ... چالیس پینتالیس سال ہوئے۔ اب بتاؤ! چالیس سال پہلے جب یہ مسجد بنی نہیں تھی تو نیچے پانی تھا یا نہیں؟ [تھا۔ سامعین] تو نکلا کب ہے؟ جب ضرورت پیش آئی تو نکالا ہے۔ اب دیکھو! پانی پہلے تھا... نکلا کب

ہے جب ضرورت پیش آئی ہے۔ اسی طرح فقہ حنفی حدیثوں کے نیچے پہلے سے موجود تھی اور جب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ آئے ہیں تو انہوں نے نکال کر امت کے حوالے کی ہے۔ تو فقہاء کا کام یہ ہے کہ اللہ کے نبی کی امت کی راہنمائی کریں۔ تو جب بھی امت کو مسائل درپیش آجائیں تو وہ کس سے پوچھیں گے؟ فقیہ سے، فقیہ موجود ہوگا، وہ حدیث سے مسئلہ نکال کر امت کے حوالے کر دے گا۔ تو تیسرا طبقہ فقہاء کا ہے۔

فقہاء کا کام؛ قرآن و سنت میں تطبیق:

فقہ کے کئی کام ہیں، میں نے دو تین کام بتائے ہیں۔ ایک کام یہ ہے کہ بعض مرتبہ قرآن و حدیث میں بظاہر ٹکراؤ نظر آتا ہے، فقیہ اس ظاہری ٹکراؤ کو ختم کر کے قرآن و حدیث میں موافقت پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً قرآن میں دیکھا تو اس میں ایک مسئلہ ملا اور حدیث میں دیکھا تو اس میں بھی ایک مسئلہ ملا لیکن قرآن میں مسئلہ اور ہے اور حدیث میں مسئلہ اور ہے۔

اب آدمی پریشان ہو جاتا ہے کہ قرآن کی مانے یا احادیث کی مانے، اللہ کی مانے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانے، بظاہر لگتا ہے کہ دونوں میں ٹکراؤ آگیا ہے حالانکہ ٹکراؤ ہوتا نہیں ہے۔ میں اس کی وہ مثال دیتا ہوں جس کی آپ کو ضرورت ہے، میری عادت ہے کہ میں بلا ضرورت باتیں نہیں کرتا، جس مسئلہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کو ذکر کرتا ہوں۔ سردیاں شروع ہو گئی ہیں، ہم جب بھی وضو کرتے ہیں تو پاؤں دھوتے ہیں اور اگر موزہ پہن لیا تو اس پر مسح کریں گے لیکن جراب پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ موزے پر مسح کیا تو آپ کی نماز ہو جائے گی اور جب جراب پر مسح کیا تو آپ کی نماز نہیں ہوگی۔ یہ مسئلہ یاد رکھیں۔ اب میں نے جو مسئلہ سمجھانا ہے وہ ہے کہ قرآن کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ
وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ.

(سورة المائدہ: 6)

اللہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! جب نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہرے کو
دھولو اور ہاتھوں کو دھولو اور سر کا مسح کرو اور پاؤں کو دھولو۔

قرآن کریم نے پاؤں کو دھونے کا حکم فرمایا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ جب
موزہ پہنا ہو تو مسح کرو اور جب نہ پہنا ہو تو پاؤں دھولو۔ قرآن کریم نے علی
الاطلاق حکم دیا ہے کہ پاؤں کو دھونا ہے اور ہم نے جو حدیث پاک پڑھی ہے اس
سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزہ پہنا تھا تو آپ نے موزے پر
مسح کیا۔ صحیح بخاری میں روایت ہے:

عَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ خَرَجَ
لِحَاجَتِهِ فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ
فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخَفَّيْنِ.

(صحیح البخاری: ج 1 ص 33 باب المسح علی الخفین)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے تو میں بھی پانی سے
بھرا ہوا برتن لے کر آپ کے پیچھے چلا گیا۔ جب آپ اپنی حاجت سے فارغ
ہوئے تو میں نے آپ کو پانی پیش کیا، آپ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔

صحیح مسلم میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رَأَيْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خَفَّيْهِ.

(صحیح مسلم: ج 1 ص 132 باب المسح علی الخفین)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔

سنن نسائی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فغَسَلَ وَجْهَهُ
وَيَدَيْهِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَمَسَحَ عَلَى الْخَفَّيْنِ.

(سنن النسائی: ج 1 ص 31 باب المسح على الخفين)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، وضو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھویا اور اپنے سر پر مسح کیا اور موزوں پر بھی مسح کیا۔

اب دیکھو! قرآن کہتا ہے کہ پاؤں کو دھونا چاہیے اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا ہے، تو کوئی بندہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے، قرآن یہ کہتا ہے جب کہ حدیث یہ کہتی ہے۔ اب فقیہ کا کام یہ ہے کہ آپ کے سامنے ایسا حل پیش کرے کہ سارے کے سارے اشکالات ختم ہو جائیں۔

ایک اصول ذہن میں رکھ لیں، فقہاء کرام نے ایک اصول پیش کیا ہے کہ اگر ایک مسئلہ قرآن میں ہو اور اس کے مقابلے میں ایک مسئلہ حدیث میں ہو تو وہم دیکھیں گے کہ یہ حدیث کس درجہ کی ہے؟ اگر حدیث متواتر ہو جیسے قرآن متواتر ہے تو اس حدیث سے قرآن کا مسئلہ منسوخ ہو سکتا ہے اور حدیث پر عمل ہو سکتا ہے اور اگر حدیث تواتر سے ثابت نہ ہو بلکہ چھوٹے درجے میں ثابت ہو تو اس حدیث کی وجہ سے قرآن کریم کے مسئلے کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔ اسے شریعت میں کہتے ہیں ”ناسخ اور منسوخ کا مسئلہ“ کہ ایک مسئلہ پہلے دور کا ہے اور ایک مسئلہ بعد کے دور کا

ہے، پہلے کے دور کا ”منسوخ“ ہے اور بعد کے دور کا ”ناسخ“ ہے۔ آیت پہلے اتری ہے اور حدیث بعد کے دور کی ہے، اب حدیث کی وجہ سے یہ مسئلہ منسوخ ہو گا یا نہیں؟

اس کے لیے ہم دیکھیں گے کہ حدیث کس درجے کی ہے؟ اگر حدیث تواتر کے درجے کی ہے تو مسئلہ اور ہے اور اگر تواتر کے درجے کی نہیں ہے بلکہ تواتر سے کم درجے کی ہے تو پھر کا مسئلہ اور ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب ہم نے دیکھا کہ موزے پر مسح کرنے کی حدیثیں کس درجے کی ہے؟

تواتر کا معنی:

پہلے آپ حضرات تواتر کا معنی سمجھیں تاکہ آپ کو بات سمجھ آئے کہ تواتر کا مطلب کیا ہے؟ تواتر کا معنی یہ ہے کہ جس کو نقل کرنے والے ہر دور میں اتنے زیادہ ہوں کہ عقل بھی مانے کہ اتنے زیادہ لوگ جھوٹ پر جمع نہیں ہو سکتے، بھائی! دو بندے جھوٹ بول سکتے ہیں، چار جھوٹ بول سکتے ہیں مگر ہر دور میں ایک مسئلہ کو ستر ستر فقہاء اور محدثین بیان کریں تو ہم اسے جھوٹ کیسے کہہ سکتے ہیں؟! اسے کہتے ہیں ”تواتر“۔

تواتر سند کا محتاج نہیں:

ایک اور بات ذہن نشین فرمائیں، سمجھانے والی باتیں تو بہت سی ہیں لیکن اگر آپ حضرات اصول ذہن میں رکھیں گے تو آپ کو مسائل پر الجھن بھی نہیں ہوگی اور عام آدمی آپ کے ساتھ بات بھی نہیں کر سکے گا۔ مسئلہ یاد رکھ لیں۔ ایک ”تواتر“ ہوتا ہے اور ایک ”سند“ ہوتی ہے، سند کبھی کمزور ہوتی ہے، کبھی مضبوط ہوتی ہے، راوی کبھی کمزور ہوتا ہے کبھی مضبوط ہوتا ہے لیکن تواتر کبھی کمزور نہیں ہوتا بلکہ مضبوط ہی ہوتا ہے۔

اب آپ ایک بات سمجھیں۔ آپ حضرات نے قرآن کریم کے کئی نسخے دیکھے ہیں، کبھی آپ نے قرآن کے شروع میں سند دیکھی ہے؟ [نہیں۔ سامعین] راویوں کے نام دیکھے ہیں؟ [نہیں۔ سامعین] لیکن حدیث کی کتابوں میں سند لکھی ہوتی ہے۔ بخاری شریف دیکھو تو سند ہے، صحیح مسلم دیکھو تو سند ہے، سنن نسائی دیکھو تو سند ہے، حدیث کی کتابوں میں سند ہوتی ہے کہ استاذ کہتا ہے کہ میں نے یہ حدیث فلاں سے سنی، اس نے فلاں سے سنی، اس نے فلاں سے سنی، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ آپ حضرات نے قاری صاحب سے قرآن پڑھا ہے؟ [جی ہاں۔ سامعین]

کیا کبھی قاری صاحب نے کہا ہے کہ میں نے قرآن فلاں سے پڑھا ہے، اس نے فلاں سے پڑھا ہے، اس نے فلاں سے پڑھا ہے... کبھی کہا ہے؟ [نہیں۔ سامعین] اور محدث کہتا ہے کہ میں نے یہ حدیث فلاں سے سنی، اس نے فلاں سے سنی، اس نے فلاں سے سنی... تو محدث سند پیش کرتا ہے، قاری صاحب سند پیش نہیں کرتا... آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ ذرا بات توجہ سے سمجھنا! حدیث سند کی محتاج ہے اور قرآن سند کا محتاج نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور جو چیز تواتر کے ساتھ ثابت ہو وہ سند کی محتاج نہیں ہوتی۔

بیس رکعات تراویح تواتر سے ثابت ہے:

اگر آپ کو یہ اصول سمجھ میں آگیا تو آپ کے اتنے مسئلے حل ہوں گے کہ میں آپ کو گنوا نہیں سکتا۔ ایک مسئلہ تراویح والا ذہن میں رکھ لیں۔ اگر آپ کو کوئی بندہ کہے کہ آپ بیس رکعات تراویح پڑھتے ہو اس کی سند ضعیف ہے، آپ اسے کہنا: تراویح کا مسئلہ سند کا نہیں، تراویح کا مسئلہ تواتر کا ہے، کوئی بندہ آپ کو حرمین شریفین، حرم مکہ اور حرم مدینہ میں نہیں بتا سکتا کہ جی فلاں سال آٹھ رکعات ہوئی تھیں اور اس سال بیس ہوئی ہے۔ بیس رکعات تراویح یہ ہمیشہ سے چلی آرہی ہے اور

یہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور جو مسئلہ تواتر کے ساتھ ثابت ہو وہاں سندیں نہیں پوچھا کرتے۔

اب دیکھو! میں بیان کر رہا ہوں اور آپ لوگ بیان سن رہے ہیں، اب بیان کے بعد ایک بندہ باہر نکلے اور اس سے کوئی شخص پوچھے کہ بیان کس نے کیا؟ وہ کہے گا: مولانا الیاس گھمن نے کیا، دوسرا نکلے اور اس سے بھی پوچھے کہ بیان کس نے کیا؟ وہ بھی یہ بتائے کہ مولانا الیاس گھمن نے کیا، تیسرا نکلے وہ بھی یہی بتائے، ہر بندہ یہی کہے کہ مولانا الیاس گھمن نے کیا ہے، اب بتاؤ! آپ اس میں سند پوچھیں گے؟ [نہیں۔ سامعین] کیا یہ پوچھنے کی ضرورت ہے کہ تیرا نام کیا ہے؟ دوسرے سے پوچھیں گے کہ تیرا نام کیا ہے؟ تیسرے سے پوچھیں گے کہ تیرا نام کیا ہے؟ [نہیں۔ سامعین]

بھائی! دو چار بندے ہوں تب تو نام پوچھیں گے لیکن جب ہزار بندے کہہ رہے ہیں کہ بیان اس نے کیا ہے تو اب نام کیا پوچھیں!! تو جو باتیں تواتر سے ثابت ہوں اس میں سندیں نہیں پوچھتے۔ اب دیکھو! تراویح کا مسئلہ کتنا آسان ہے، آپ ان آٹھ رکعت پڑھنے والوں سے پوچھ سکتے ہو کہ حرمین میں جب سے تراویح ہو رہی ہے کبھی آٹھ بھی ہوئی ہیں؟ کبھی آٹھ نہیں ہوئیں بلکہ وہاں بیس رکعات ہی پڑھی جا رہی ہے، اب اس میں سند کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

فقہ حنفی تواتر سے پہنچی ہے:

میں نے لالہ موسیٰ میں بیان کیا، وہاں ایک شخص نے چٹ لکھی کہ مولانا صاحب! آپ فقہ حنفی کی بہت زیادہ وکالت کرتے ہیں، آپ فقہ حنفی کو اپنے امام سے سند کے ساتھ ثابت کر دیں تو ہم حنفی ہو جائیں گے۔ میں نے کہا: اگر کوئی عیسائی کہے کہ میں مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوں آپ قرآن کی ساری آیات سند کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کریں تو کیا تو ثابت کر دے گا؟

اس بندے نے کہا: جی نہیں! تو میں نے کہا کہ پھر اس عیسائی کا کیا کرو گے۔ اس نے کہا: مولانا صاحب! قرآن کریم کی ساری آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں، جو چیز تواتر کے ساتھ ثابت ہو وہاں سند نہیں مانگتے۔ میں نے کہا: جس طرح قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے ثابت ہے اسی طرح فقہ حنفی یہ امام صاحب سے تواتر سے ثابت ہے۔ جب تواتر پہ سند نہیں مانگی جاتی تو پھر تو مجھ سے سند کیوں مانگ رہا ہے؟ بات سمجھ آرہی ہے؟ [جی ہاں۔ سامعین] اب اصول ذہن میں ہوں تو بات کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

ویڈیو بیان کی ضرورت:

میں جو اپنے بیان ریکارڈ کراتا ہوں کہ بیان ریکارڈ کرو... ریکارڈ کرو... عام بندے کو اس کی سمجھ نہیں آتی، کوئی کہتا ہے شہرت کا بھوکا ہے، کوئی کہتا ہے حرام کرتا ہے، میں جو گفتگو کرتا ہوں میرے سامنے صرف یہ دو بلاک کے لوگ نہیں ہوتے، ہمارے سامنے پوری دنیا ہوتی ہے، اس بیان نے آج ریکارڈ ہونا ہے اور دس دن بعد اس نے نیٹ پر آ جانا ہے اور اس سے جتنے لوگوں نے استفادہ کرنا ہے آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہے۔ پہلے لوگ ڈاکر نائیک کو سنتے تھے، اب دنیا کا بہت بڑا طبقہ ہمیں سنتا ہے، لوگ پہلے اس سے متاثر تھے اب متاثر ہونا ختم ہو گیا، کیوں کہ ڈاکر نائیک جتنی جہالت سے کام لیتا ہے اس کا آپ لوگوں کو اندازہ ہی نہیں ہے، وہ ہمیں پتا ہوتا ہے کہ وہ کتنی جہالت سے کام لے رہا ہے، ہم اس کا توڑ پیش کرتے ہیں تو امت ہدایت پر آ جاتی ہے۔

میں نے پرسوں بھی ایک جگہ واقعہ پیش کیا اور اب آپ کو بھی بطور عبرت کے پیش کرتا ہوں۔ مجھے ایک آدمی نے ڈاکر نائیک کا کلپ دیا، وہ میرے پاس اب بھی ہے موبائل میں، اس کلپ میں وہ یہ بتا رہا ہے کہ میں جو یہ تھری پیس سوٹ پہنتا

ہوں اس کی حیثیت کیا ہے؟ کہہ رہا تھا کہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ یہ عیسائیوں کی علامت ہے، یہ عیسائیوں کی علامت نہیں ہے بلکہ کلچر ہے اور کلچر کو اختیار کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگر علامت ہو تو پھر گناہ ہوتا ہے۔ پھر اس نے ایک دلیل پیش کی اور اس کی دلیل پر لوگوں نے تالیاں بجائیں۔

دلیل اس نے یہ دی کہ تم لوگ جو کرتا پہنتے ہو کیا اس کا ذکر قرآن میں آیا ہے؟ کہتا ہے: ”قمیص“ کا ذکر تو آیا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں لیکن ”کرتے“ کا ذکر نہیں آیا۔ اس پر لوگوں نے تالیاں بجائیں کہ بڑی مضبوط دلیل دی ہے۔ اس جاہل سے کوئی پوچھے کہ ”کرتہ“ اردو کا لفظ ہے اور ”قمیص“ عربی کا لفظ ہے، تو قرآن میں عربی کا لفظ ”قمیص“ ہی آتا ہے، اردو کا لفظ ”کرتہ“ تو نہیں آتا۔ جب کلپ کے مقابلے میں کلپ نیٹ پر آتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ یار اصل مسئلہ تو یہ ہے۔ اب یہ ویڈیو بنانا ہماری مجبوری ہے، اس کا توڑ اس کے بغیر نہیں ہے۔ اس وجہ سے بعض ساتھیوں کو الجھن ہوتی ہے کہ مولانا تصویر کیوں بناتے ہیں؟!

آپ کی تصویر جائز تو میری ناجائز کیوں؟

شاید اس پر میں نے آپ کو ایک واقعہ سنایا ہو، چلو میں پھر سنا دیتا ہوں تاکہ آپ حضرات کے ذہن میں بات بخوبی بیٹھ جائے۔ میں کشمیر کے علاقہ عباس کوٹ میں گیا، وہاں ایک مسجد میں میرا بیان تھا، میرے ساتھ ویڈیو والا بھی تھا، مسجد کے امام صاحب نے کہا: ہماری مسجد میں تبلیغی جماعت آئی ہوئی ہے وہ اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ میں نے کہا: آپ کیمرہ لگا دو میں انہیں سمجھا دوں گا۔ میں نے ان تبلیغ والوں سے پوچھا: تمہارے امیر صاحب کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ ہیں۔

میں نے کہا: آپ اس مسجد میں کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا: ہماری سات ماہ کی جماعت ہے بیرون کی، ہمیں اب تک ویزے نہیں ملے، جب تک ہمارے

ویزے نہیں آتے ہماری اس علاقے میں تشکیل ہوئی ہے۔ میں نے کہا: پاسپورٹ پر آپ کی تصویر بھی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ میں نے کہا: امیر صاحب! تصویر حرام ہے یا حلال؟ کہا: حرام۔ میں نے کہا: جب حرام ہے تو پھر آپ نے بنوائی کیوں ہے؟ اس نے کہا: اس کے بغیر تو ہم بیرون جانہیں سکتے، اس لیے یہ ہماری مجبوری ہے، اس کے بغیر پاسپورٹ پر ویزہ نہیں لگے گا۔

میں نے کہا: نہ لگے، قیامت کے دن تم اللہ سے کہنا کہ یا اللہ! ہمارا دل چاہتا تھا کہ ہم انگلینڈ جا کر تیرے دین کا کام کریں لیکن وہاں جانے کے لیے تصویر بنوانا ضروری تھی، اس وجہ سے ہم وہاں نہیں گئے۔ امیر صاحب نے کہا: مولانا صاحب! دین کی دعوت دینی ہے۔ میں نے ان سے کہا: مجھ میں اور آپ میں فرق یہ ہے کہ آپ نے تو تین تصویریں سفارت خانے میں جمع کروائی ہیں اور خود انگلینڈ جانا ہے، میں خود یہاں رہوں گا اور تصویر انگلینڈ بھیج دوں گا، آپ کے بیان کو دس بندے سنیں گے اور میرے بیان کو ہزاروں بندے سنیں گے۔

جب دین کی خاطر تصویر بنوانا جائز ہے تو پھر آپ بھی دین کی خاطر بنوا رہے ہیں اور میں بھی دین کی خاطر بنوا رہا ہوں، میری تصویر حرام ہے اور آپ کی حلال ہے... یہ فرق کیوں؟ امیر صاحب! آپ مجھے سمجھائیں آخر یہ فرق کیوں ہے؟ میری بات کو آپ محسوس نہ کرنا۔ اس قوم کا مزاج یہ ہے جو چیزیں معاشرے میں رواج پا جاتی ہیں تو لوگوں کے ہاں ان چیزوں کی حرمتیں کم ہوتی ہیں اور جو رواج نہیں پاتیں تو پھر معاملہ عجیب ہوتا ہے۔ اب دیکھو ہمارے پاکستان میں جو لوگ شراب پیتے ہیں وہ خنزیر کھانے کے لیے تیار نہیں ہوتے، اب خنزیر کھانا اور شراب پینا دونوں کے حرام ہونے میں کوئی فرق نہیں، یہ لوگ خنزیر نہیں کھائیں گے لیکن شراب پیئیں گے، کیوں کہ معاشرے میں خنزیر کوئی نہیں کھاتا۔ اسی طرح

لوگ دس دس تصویریں کھینچوا کر عمرہ کر لیں گے، حج کر لیں گے لیکن جب دین کی باری آئے گی تو پھر ویڈیو کو حرام کہہ دیں گے۔

میں اس کے حلال ہونے پہ دلائل نہیں دے رہا، میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ جب اُس کی گنجائش ہے تو پھر اِس کی گنجائش کیوں نہیں؟ وہ بھی دین کی وجہ سے ہے اور یہ بھی دین کی وجہ سے ہے۔ میں یہ بات آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ جس مورچہ سے دشمن وار کرتا ہے آپ نے اسی مورچہ پر فائرنگ کرنی ہے تو مقابلہ ہونا ہے ورنہ مقابلہ کبھی بھی نہیں ہونا۔ میں اب دنیا ٹی وی پر آتا ہوں اور درس قرآن دیتا ہوں، وہ مجھ سے بہت وقت مانگتے ہیں لیکن خدا گواہ ہے مصروفیت اتنی ہوتی ہے کہ میں وقت نہیں دے پاتا، وہ کہتے ہیں آپ ہر ہفتہ میں آئیں۔

اب دیکھو! ایک طرف دو سو ملکوں میں ڈھائی کروڑ بندے سنیں اور دوسری طرف دو بندے سنیں تو بتاؤ دونوں میں کتنا فرق ہے؟! اور ایک بات میں آپ حضرات کی مسجد میں بیٹھ کر خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آج تک میں نے ٹی وی والوں سے ایک روپیہ بھی لیا ہو تو میرے اوپر حرام ہے، ایک روپیہ بھی لیا ہو تو مجھ پر حرام ہے، میں سرگودھا سے اسلام آباد جاتا ہوں تو خود اپنی جیب سے پٹرول ڈال کر جاتا ہوں ان سے پیسے نہیں لیتا، کراچی اگر جاتا ہوں تو جہاز کی ٹکٹ خود لیتا ہوں ان سے نہیں لیتا، میں نے رمضان میں سحر و افطار میں درس دیے اور سحری میں اپنے ساتھ خود لے کر جاتا تھا، ان سے سحری بھی نہیں کھاتا تھا۔

لیکن عام بندہ سمجھتا ہے کہ پتہ نہیں مولانا صاحب کو ٹیلی ویژن والے کتنے پیسے دیتے ہوں گے؟! دیکھو جی انہوں نے حرام کام شروع کر دیا ہے۔ ہمیں شوق نہیں ہے یہ کام کرنے کا، یہ کام ضرورت اور مجبوری ہے۔ اللہ ہمیں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

موزوں پر مسح تو اتر سے ثابت ہے:

میں مسئلہ یہ سمجھا رہا تھا کہ قرآن پاک میں حکم آیا ہے پاؤں کو دھونے کا اور حدیث مبارک میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا ہے۔ اب بظاہر یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے لیکن حقیقتاً قرآن کے خلاف نہیں ہے، اب قرآن کے حکم کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کر سکتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم کی آیت تو اتر سے ثابت ہے اسی طرح موزوں پر مسح کرنے کی احادیث بھی تو اتر سے ثابت ہیں۔ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حَدَّثَنِي سَبْعُونَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ .

(التلخیص الحییر: ج 1 ص 158 باب المسح علی الخفین)

مجھے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر مسح فرمایا کرتے تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَا قُلْتُ بِالْمَسْحِ حَتَّى جَاءَنِي فِيهِ مِثْلُ ضَوْءِ النَّهَارِ .

(البحر الرائق لابن نجيم: ج 1 ص 288 باب المسح علی الخفین)

میں اس وقت موزوں پر مسح کا قائل ہوا جب میرے پاس اتنی حدیثیں آگئیں جس طرح سورج چمک رہا ہوتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ صَرَحَ جَمْعُ مِنَ الْخُفَّيْنِ بِالْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ مُتَوَاتِرًا .

(فتح الباری: ج 1 ص 399 باب المسح علی الخفین)

محدثین کا فیصلہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے والی حدیث متواتر ہے۔

اب فقیہ بتائے گا کہ آیت بھی متواتر ہے اور حدیث بھی تواتر سے ثابت ہے، اب آیت کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنا جائز ہے اور جب حدیث اس درجے کی نہیں ہوگی تو پھر عمل جائز نہیں۔ اس سے مسئلہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں۔

جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں:

☀ پہلی بات یہ ہے کہ جراب پر مسح کرنے کی ساری حدیثیں ضعیف ہیں۔ ہمارا نیٹ پر تفصیلاً اس موضوع پر بیان موجود ہے، میں ایک اور بات بھی عرض کر دوں اور میں کسی کے مسلک پر کچھ نہیں اچھال رہا بلکہ بطور حوالہ کے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ مسلک اہل حدیث کے بہت بڑے عالم عبدالرحمن مبارک پوری جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں:

والحاصل انه ليس في باب المسح على الجوربين حديث مرفوع صحيح خال عن الكلام هذا ما عندى.

(تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری: ج 2 ص 349 و 354)

کہ میری تحقیق ہے یہ کہ مسح علی الجوربین کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث ثابت نہیں جو جرح وکلام سے خالی ہو۔

اور مسلک اہل حدیث کے ”امام“ شیخ الکل فی الکل میاں ندیز حسین دہلوی صاحب اپنی کتاب ”فتاویٰ ندیریہ“ میں لکھتے ہیں:

المسح على الجوربة المذکورة ليس بجائز لانه لم يقيم على جوازه

دلیل .

(فتاویٰ ندیریہ: ج 1 ص 327)

موجودہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس کی کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ہے۔

اب بتاؤ! آپ کے لیے جواب دینا کیا مشکل ہے؟! اب اگر آپ کو کوئی بندہ جراب پر مسح کی حدیث دکھا بھی دے اور آپ کو جواب زیادہ نہ بھی آتا ہو تو آپ اس سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ قرآن نے حکم پاؤں دھونے کا دیا ہے یا مسح کا؟ وہ کہے گا کہ حدیث میں تو مسح کا ذکر آتا ہے تو آپ نے اس سے کہنا ہے کہ اگر حدیث تواتر کے درجے کی ہے تو پھر اس پر عمل کرنا درست ہے ورنہ قرآن کے مقابلے میں اس پر عمل کرنا درست نہیں بلکہ جائز بھی نہیں اور جرابوں پر مسح والی حدیث صحیح بھی نہیں اور تواتر کے درجے میں بھی نہیں لہذا اس پر عمل کرنا جائز بھی نہیں۔ اب یہ کام فقیہ کا ہے کہ امت کو سمجھائے۔

اس لیے ہم نے کہا کہ امت کی رہنمائی کریں گے:

نمبر 1: خلفاء راشدین

نمبر 2: صحابہ کرام

نمبر 3: فقہاء کرام

نمبر 4: علماء کرام

اگر فقیہ نہ ہو تو یہ مسئلہ سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا۔

پاؤں پر مسح جائز نہیں؛ ایک علمی گفتگو:

ایک چھوٹا سا مسئلہ اسی آیت کے حوالے سے آپ ذہن نشین فرمائیں، ہو سکتا ہے کل کو آپ سے کوئی بندہ یہ مسئلہ پوچھ لے۔ فیصل آباد کے ہمارے ایک دوست ہیں، ان کے تعلق والا ایک شخص تھا جو مسلک شیعہ تھا اور کراچی کا رہنے والا تھا، اس شخص نے ہمارے اس دوست سے کہا کہ ”پاؤں کو دھونا نہیں چاہیے بلکہ پاؤں

پر مسح کرنا چاہے کیونکہ مسح کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ “آپ ذرا اس کی دلیل دیکھنا! کہنے لگا کہ قرآن کریم میں ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ اے ایمان والو جب تم نماز کے اٹھو تو اپنے چہرے کو دھولو۔ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو۔ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ اپنے سر کا مسح کرلو۔ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

اب یہاں ”أَرْجُلَكُمْ“ کا معنی کیا کریں؟ پاؤں پر مسح کریں یا پاؤں دھونا کریں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وضوء میں چار چیزوں کا ذکر کیا:

(1): پہلے چہرے کا ذکر کیا

(2): پھر ہاتھوں کا ذکر کیا

(3): پھر مسح کا

(4): اور آخر میں پاؤں کا

اب وہ میرے دوست کہنے لگے کہ اس شیعہ نے مجھے کہا کہ اگر پاؤں کو دھونا ہوتا تو اللہ اس کا ذکر پہلے کرتے اور یوں فرماتے: ”فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ“ اپنے چہرے کو دھولو، ”وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ“ اپنے ہاتھوں کو دھولو، ”وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ“ اپنے پاؤں کو دھولو اور پھر فرماتے ”وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ“ اپنے سروں کا مسح کرلو۔ لیکن اللہ نے قرآن میں پہلے سر کا مسح ذکر کیا اور اس کے بعد پاؤں کا ذکر کیا، اگر پاؤں کو دھونے کا حکم ہوتا تو اس کا ذکر ”فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ“ کے ساتھ ہوتا لیکن اس کا ذکر ”وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ“ کے بعد ہے۔

جس کا مطلب ہے کہ پاؤں کو دھونا نہیں بلکہ پاؤں پر مسح کرنا ہے، تو دو اعضاء کو دھونا ہے اور دو کا مسح کرنا ہے، اس لیے دھونے والے اعضاء کو ایک جگہ اور مسح والے اعضاء کو ایک جگہ ذکر کر دیا ہے۔ اب جب کوئی بندہ یہ دلیل پیش کرے گا

تو آپ کے پاس اس کا جواب نہیں ہوگا۔ آپ نے کہنا ہے کہ مولانا عبدالرشید صاحب! مولانا صاحب (مولانا محمد الیاس گھسن) کا ایک درس تو کرا دو۔

میں اس لیے ترغیب دے رہا ہوں کہ مسلسل بیانات کو سنو، پھر آپ دیکھنا کہ دلائل کتنے جمع ہوتے ہیں۔ مجھے انہوں نے کہا: مولانا صاحب! اس شخص کی اس دلیل کا جواب کیا ہے؟ میں نے کہا: اس کا جواب خود قرآن کریم میں ہے، آپ قرآن کھولیں میں جواب دیتا ہوں، میں سرگودھا میں تھا وہ فیصل آباد میں تھے، وہ غیر عالم تھے اس لیے میں نے ان کو کہا کہ قرآن دیکھیں میں پڑھتا ہوں، آپ ذرا اس کے اعراب کو دیکھنا، قرآن میں ہے: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ۔

”فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ“ اپنے چہروں کا دھو لو، آگے ہے: ”وَأَيْدِيَكُمْ“ اپنے ہاتھوں کو دھو لو، ”وُجُوه“ پر زبر ہے، آگے ”وَأَيْدِي“ اس پر بھی زبر ہے، آگے ”وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ“ اپنے سروں کا مسح کرو، اس میں ”رُءُوس“ پر زیر ہے آگے فرمایا: ”وَأَرْجُلُكُمْ“ پھر زبر آگئی ہے۔

✽ ”وُجُوه“ زبر ہے...

✽ ”أَيْدِي“ زبر ہے...

✽ ”رُءُوس“ زیر ہے...

اب ہم نے دیکھا ہے کہ ”أَرْجُلُ“ کا تعلق کس کے ساتھ ہے؟ اگر ہوتی زیر یعنی ”أَرْجُلِ“ تو ہم کہتے کہ اس کا تعلق ہے ”رُءُوس“ سے، لیکن اس پر ہے زیر یعنی ”أَرْجُلُ“، پتا چلا کہ اس کا تعلق ہے ”وُجُوه“ اور ”أَيْدِي“ کے ساتھ، اور یہ منصوب ہے کیونکہ ”فَاغْسِلُوا“ کا مفعول بہ ہے جو منصوب ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ چہرے، ہاتھوں اور پاؤں کو دھونا ہے اور سر کا مسح کرنا ہے، اسی لیے خدا نے ”أَرْجُلُكُمْ“

فرمایا، جس کو دھونا تھا اس پر زبر ہے اور جس پر مسح کرنا تھا اس پر زیر ہے۔ مجھے وہ کہنے لگا: مولانا صاحب! ٹکٹ میں کراتا ہوں، چلیں کراچی چلیں اور اس بندے کو سمجھائیں۔ میں نے کہا: میں نے وہاں نہیں جانا، میرا یہ بیان اس کو سنا دے اگر سمجھ نہ آئے تو میرے ساتھ فون پر رابطہ کر لے، میں اس کو فون پر سمجھا دوں گے۔

دلائل والا مزاج اپنا بیٹے:

میں گزارش کر رہا تھا کہ ان دلائل کو سمجھو اور اپنا مزاج بناؤ دلائل والا۔ خدا نے ہمیں شریعت دی ہے، دلائل دیے ہیں، ہمارے پاس دلائل کا انبار موجود ہے تو پھر کمزور بات کیوں کریں۔ اللہ ہمیں یہ بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تو اللہ کے نبی کی امت کی راہنمائی کرنی ہے خلفاء راشدین نے، پھر صحابہ کرام نے، پھر فقہاء کرام نے۔ میں آخری بات عرض کرتا ہوں، اس درس کے سلسلہ کو ختم کرتے ہیں تاکہ آئندہ کسی اور عنوان پر درس شروع کریں۔

امت کے رہنماء؛ علماء کرام

چوتھے نمبر پر علماء کرام امت کی راہنمائی کریں گے۔ ہمارا چک 87 جنوبی (سرگودھا) میں بچیوں کا مدرسہ ہے، شروع شروع میں تو ایک کمرہ تھا، اب ماشاء اللہ بہت اچھا بن گیا ہے۔ ہمارے درس میں ایک مرتبہ ایسی بچی آگئی جو مسلکاً غیر مقلد تھی۔ سبق میں اس نے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا، مجھے کہنے لگی: استاد جی! ایک بات بتائیں۔ میں نے کہا: پوچھیں، کہنے لگی: کوئی خاتون کسی عالم سے بیعت کر سکتی ہے؟ میں نے کہا: کر سکتی ہے۔ اس نے کہا: دلیل؟ میں نے کہا: سورۃ ممتحنہ میں دلیل موجود ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُسَرِّحْنَ بِاللَّهِ
شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ

بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلِهِمْ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اللَّهُ
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ.

(سورة الممتحنة: 12)

قرآن کریم نے کہا: میرے پیغمبر! اگر آپ کے پاس وہ عورتیں آئیں جو کلمہ پڑھ کر اسلام لا چکی ہیں، مؤمنہ ہیں، وہ آپ کے پاس آئیں اور اس بات پر بیعت کرنا چاہیں کہ وہ شرک نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اولاد کو قتل نہیں کریں گی، ایسا بہتان نہیں باندھیں گی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہو (یعنی جانتے بوجھتے اور کھلم کھلا کسی پر بہتان نہیں باندھیں گی) اور نہ کسی بھلے کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی۔ اگر ان شرائط پر آپ سے بیعت کرنا چاہیں تو آپ ان کو بیعت کر لیں۔

میں نے کہا: بیعت کا ذکر تو قرآن کریم میں ہے پھر ہم بیعت کے قائل کیوں نہ ہوں؟! آپ مرد ہیں اور تیاری نہیں کرتے وہ عورتوں کی بھی تیاری کرواتے ہیں۔ اب اس لڑکی کا جواب سننا! مجھے کہنے لگی: استاد جی شاید میں اپنا سوال آپ کو سمجھا نہیں سکی یا آپ مجھے جواب نہیں سمجھا سکے۔ میں نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: میرا سوال یہ نہیں ہے کہ کوئی عورت نبی کی بیعت کر سکتی ہے یا نہیں؟ میرا سوال یہ ہے کہ عورت کسی عالم کی بیعت کر سکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے دلیل میں پیش کیا کہ عورتیں اللہ کے نبی کی بیعت کرتی تھیں۔

نبی کی بیعت عورتیں کریں مجھے اس پر اشکال ہی نہیں ہے، وہ تو میں مانتی ہوں، میرا سوال یہ ہے کہ نبی کے بعد کسی عالم کی بیعت کر سکتی ہے یا نہیں؟ آپ اس پر دلیل پیش فرمائیں، اس لیے میرے سوال پر آپ نے دلیل نہیں دی۔ اس بچی کی بات معقول ہے یا نہیں؟ [معقول ہے۔ سامعین] اب دیکھو کتنی تیاری کرائی جا رہی

ہے۔ میں نے اس سے کہا: بیٹی! یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب مسجد میں لوگ جماعت کے لیے جاتے تھے تو مصلیٰ پر کون کھڑا ہوتا تھا؟ کہنے لگی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے کہا: لوگ مسئلہ پوچھتے تو جواب کون دیتا تھا؟ کہنے لگی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جب کوئی خواب دیکھتا تو تعبیر کون بتاتے تھے؟ کہنے لگی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے کہا: نکاح کون پڑھاتے تھے؟ کہنے لگی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے کہا: جب عورتوں نے بیعت کرنی ہوتی تو بیعت کون فرمایا کرتے تھے؟ کہا: جی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

میں نے کہا: اب بتاؤ! مسجد میں نماز کون پڑھائے گا؟ کہتی ہے: علماء

میں نے کہا: خواب کی تعبیر کون بتائے گا؟ کہتی ہے: علماء

میں نے کہا: نکاح کون پڑھائے گا؟ کہتی ہے: علماء

اب میں نے کہا: عورتوں کی بیعت کون کرائے گا؟ کیا ہم بیعت کے لیے اللہ کے نبی کو لائیں گے؟ کہنے لگی: جی اب مجھے بات سمجھ میں آگئی۔

عالم نبی کا وارث ہے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم نبی کا وارث ہے، جو کام اللہ کے نبی نے فرمائے ہیں وہ سارے کام عالم کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہوتا ہے ”وارث“ اور ایک ہوتا ہے ”مورث“، جو فوت ہو جائے اسے ”مورث“ کہتے ہیں اور جو پیچھے ہو اسے ”وارث“ کہتے ہیں۔ اب جو فوت ہونے والا ہے اس کی دکان بھی ہے، اس کی گاڑی بھی ہے، اس کا مکان بھی ہے، اس کا بینک بیلنس بھی ہے۔ اب بتاؤ! جو وارث ہو گا وہ ہر چیز کا وارث ہو گا یا ایک چیز لے کر ایک چھوڑ دے گا؟ [ہر چیز کا ہو گا۔ سامعین] تو اب جب علماء وارث ہیں تو جو کام اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمائے ہیں وہ سارے کام علماء نے کرنے ہیں۔ علماء نبی کے وارث ہیں اس لیے مسائل علماء بتائیں گے، نماز علماء پڑھائیں گے، خواب کی تعبیر علماء بتائیں گے، خطبہ علماء دیں گے... یہ سارے کام علماء نے کرنے ہیں۔ اب بات سمیٹتا ہوں۔

میں کہہ رہا تھا کہ نبی کے بعد امت کی راہنمائی چار طبقات نے کرنی ہے۔ سب سے پہلے کس نے کرنی ہے؟ [خلفاء راشدین نے۔ سامعین] اب خلفاء راشدین ہیں؟ [نہیں۔ سامعین] خلفاء راشدین کے بعد کس نے کرنی ہے؟ [صحابہ کرام نے۔ سامعین] اب صحابہ کرام ہیں؟ [نہیں۔ سامعین] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کس نے کرنی ہے؟ [فقہاء نے۔ سامعین] اور مجتہد بڑے درجے کے ہوتے ہیں، اب وہ بھی نہیں، اب امت کی راہنمائی کون کرے گا؟ [علماء کرام۔ سامعین]

عصر حاضر کا فتنہ:

اب پوری دنیا میں فتنہ یہ ہے کہ علماء سے بچو! علماء سے بچو! کیوں؟ اس لیے کہ راہنمائی جو انہوں نے کرنی ہے، اب اگر آدمی علماء سے کٹ گیا تو بتاؤ! وہ جائے گا کہاں؟ جن علماء نے آپ کی راہنمائی کرنی ہے بتاؤ کیا یہ معصوم ہیں؟ [نہیں۔ سامعین] معصوم نہ ہونے کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے گناہ بھی ہونے ہیں، اب جب ان کے گناہ دیکھ لیں تو کیا اس کو فارغ کر دیں گے؟ جب آپ خود سمجھتے ہیں کہ یہ معصوم نہیں ہیں تو ظاہر ہے کہ ان سے خطائیں بھی ہونی ہیں تو آپ ان کی خطاؤں کو دیکھ کر آسمان سر پر کیوں اٹھا لیتے ہو؟

مولوی دے سکتا ہوں، نبی نہیں دے سکتا!

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ ملتان میں تھے، منڈی بہاؤ الدین کا ایک وفد گیا کہ شاہ جی ہماری مسجد کے لیے امام چاہیے۔ شاہ جی نے فرمایا: مل جائے گا لیکن بتاؤ کہ کیسا امام چاہیے؟ انہوں نے کچھ شرطیں لگائیں... کہا: جو ان

ہو! فرمایا: ٹھیک ہے، خوبصورت ہو! فرمایا: ٹھیک ہے، خوش الحان ہو! فرمایا: ٹھیک ہے، لالچی نہ ہو! فرمایا: ٹھیک ہے۔ انہوں نے جب اس طرح کی چند اور شرطیں بتائیں تو شاہ جی رحمہ اللہ نے پوچھا: مولوی چاہیے یا نبی چاہیے؟ وہ کہنے لگے جی! مولوی چاہیے۔ شاہ جی نے فرمایا: یہ شرطیں تو نبی کی ہیں کہ خوبصورت بھی ہو، خاندان بھی بڑا ہو، عالم بھی بڑا ہو، خوش الحان بھی ہو، تنخواہ بھی نہ لیتا ہو یہ صفیتیں مولوی کی نہیں ہیں، مولوی خوبصورت بھی ہو سکتا ہے کالا بھی ہو سکتا ہے، طاقتور بھی ہو سکتا ہے کمزور بھی ہو سکتا ہے، چودھری بھی ہو سکتا ہے کم ذات بھی ہو سکتا ہے، سید خاندان کا بھی ہو سکتا ہے چھوٹے خاندان کا بھی ہو سکتا ہے، اور تم جن صفیتوں والا امام مانگتے ہو وہ صفیتیں تو نبی کی ہیں، میں تو جیل کاٹتا ہوں، مار کھاتا ہوں حضور کے اس فرمان ”انا خاتم النبیین“ لانی بعدی“ کے لیے اور تم میرے پاس نبی مانگنے کے لیے آئے ہو؟! میں نبی نہیں دے سکتا مولوی دے سکتا ہوں۔ میری بات سمجھ آرہی ہے؟ [جی ہاں۔ سامعین] امت میں یہ مزاج بن جائے تو پھر معاملات صحیح ہو جاتے ہیں۔

مزاجِ نبوت:

میرا آج صبح سبق تھا اور الحمد للہ ہمارے سبق میں عوام نہیں ہوتی بلکہ علماء ہوتے ہیں۔ دکھ یہ ہے کہ آپ ہمارا سبق آکے دیکھتے نہیں ہو، آپ آکر دیکھو! اور پورے ملک میں اتنی بڑی کلاس کہ جس میں فارغ ہونے والے علماء آکر سبق پڑھیں یہ آپ کو ہمارے چک 87 کے علاوہ کہیں نہیں ملے گی۔ میں نے ان علماء سے کہا اور آپ سے بھی کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں جن جن سے تعلق توڑا ہے تو نظریہ کی بنیاد پر توڑا ہے یا عمل کی بنیاد پر توڑا ہے؟ مجھے یہ بتاؤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے گناہ ہوئے یا نہیں؟ [ہوئے ہیں۔ سامعین] کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صف سے نکالا ہے کہ نکل جاؤ؟ [نہیں۔ سامعین] تم پر چوری ثابت ہو

گئی ہے تم نکل جاؤ! ایسا کہا ہے؟ [نہیں۔ سامعین] خیانت ثابت ہو گئی تم نکل جاؤ!
[نہیں۔ سامعین] تجھ سے زنا ہو گیا نکل جا! [نہیں۔ سامعین]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حد تو جاری کی ہے لیکن نکالا نہیں ہے اور جب منافق کا معاملہ آیا تو فرمایا: ”اُخْرِجْ“ نکل جا تو منافق ہے۔ نبی غلط نظریہ والے کو تو الگ کرتا ہے لیکن غلط عمل والے کو الگ نہیں کرتا بلکہ تھپکی دے کر عمل کو ٹھیک کرتا ہے۔ اور آج ہمارا کیا حال ہے؟ ہم غلط عقائد والوں کو سینے سے لگاتے ہیں اور عملی کوتاہی ہو جائے تو باہر نکال دیتے ہیں، بابا غلط عقیدے پر لڑائی لڑو لیکن غلط اعمال پر لڑائی نہ لڑو بلکہ اس کی اصلاح کرو۔

نبی کے وارث کی قدر کیجیے:

علماء نے راہنمائی کرنی ہے اور آپ نے راہنمائی لینا ہے۔ میں باقی علماء کی بات نہیں کرتا، میں اپنی بات آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔ دیکھو بھائی! ہم امتی ہیں، نبی نہیں ہیں، ہم میں کوتاہیاں بھی ہیں، کمزوریاں بھی ہیں، گناہگار بھی ہیں یہ سب ہمارے اندر موجود ہیں، آپ نے اس کے ساتھ قبول کرنا ہے تو کام چلتا رہے گا۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ ایک بڑا پیارا جملہ فرمایا کرتے تھے۔ مولانا بنوری فرماتے تھے کہ جس بکری کا دودھ آپ نے پینا ہے تو اس کی میٹگنیاں بھی آپ نے اٹھانی ہیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ دودھ آپ پیئیں اور میٹگنیاں ہمسایہ اٹھائے۔

حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس عالم سے فائدہ آپ نے اٹھانا ہے اگر اس کی کوئی کمزوری آپ کے سامنے آجائے تو اس کو برداشت بھی آپ نے کرنا ہے۔ یہ باتیں سمجھ آجائیں تو یقین کریں امت کا مزاج بدل جائے گا، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ایسی کوتاہیاں موجود ہیں۔ اللہ معاف کرے۔ میں ویسے بات کر رہا ہوں کہ اگر ایسی باتیں آ بھی جائیں تو درگزر کریں، نظر انداز کریں، چشم پوشی کریں پھر دیکھیں

اللہ آپ کو نواز تا کتنا ہے۔ خدا عطاء کتنا کرتا ہے! نبی کا وارث سمجھ کر درگزر کریں۔

عالم جیسا بھی ہو نبی کا وارث ہے:

میں ایک بات کہتا ہوں: مجھے بتاؤ! باپ کروڑ پتی ہو اور پڑھا لکھا ہو اور بیٹا ان پڑھ ہو اور شرابی کبابی اور نکھٹو ہو، یہ باپ مر جائے تو وارث کون ہو گا؟ [بیٹا۔ سامعین] اب کوئی کہے کہ باپ تو پڑھا لکھا ہے اور بیٹا ان پڑھ ہے تو یہ کیسے وارث بنے گا؟ باپ ڈاکٹر ہے اور بیٹا نشہ کرتا ہے تو یہ وارث کیسے ہو گا؟ اب بتاؤ! وارث یہی بیٹا ہو گا یا کوئی اور ہو گا؟ [یہی بیٹا ہو گا۔ سامعین] یہ جیسا بھی ہے وارث ہے۔ اب بتاؤ! یہ عالم کے بارے میں آپ کا دماغ کیوں نہیں مانتا؟ عالم جیسا بھی ہو یہ نبی کا وارث ہے۔ عالم کے عمل میں کچھ کمزوری بھی آجائے تب بھی نبی کا وارث ہے اور اگر اعمالِ صالحہ والا ہو تب بھی نبی کا وارث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت علماء کے پاس ہے۔ اس لیے علماء کا احترام کرو! دینی رہنمائی انہی سے لو کیونکہ نبی کے وارث یہی ہیں۔

خلاصہ درس:

میں آخر میں پچھلے تین دروس اور اس درس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے قیامت تک رہنا ہے۔ تو جب کوئی نیا نبی قیامت تک نہیں آئے گا تو اب سوال یہ ہے کہ قیامت تک امت کی رہنمائی کون کرے گا؟ امت کو سمجھائے گا کون؟ امت کو دین کی طرف لے جائے گا کون؟ امت کس کے پیچھے چلے گی؟ اس حوالے سے چار طبقات میں نے بیان کیے جن کا تذکرہ خود احادیث میں موجود ہے۔ امت ان کی رہنمائی میں چلے گی۔

☞ خلفاء راشدین، ☞ صحابہ کرام، ☞ فقہاء کرام، ☞ علماء کرام

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین